مبادیاتِ طب

پر

ایک تحقیقی نظر

حکیم الطاف احمد اعظمی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبادیاتِ طب
پر
ایک تحقیقی نظر

حکیم الطاف احمد اعظمی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل
حکومت ہند

ویسٹ بلاک-I، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون: 6179657, 6103381, 6103938

Mobatiyat-e-tib Per Ek Nazar Tahqeeqi Naz...
By
H. ALTAF AHMED AZMI

© قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی۔

سنہ اشاعت :۔
پہلا اڈیشن :۔ 1991 تعداد 3000
دوسرا اڈیشن :۔ 1997 تعداد 1100
قیمت :۔ 36/-
سلسلہ مطبوعات نمبر :۔ 651

ناشر : ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ویسٹ بلاک ۱
آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔
طابع : سپریم آفسیٹ پریس، مالویہ نگر، نئی دہلی

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف چند لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہن انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

انتساب

اپنے مرحوم چچا فخرالدین خاں کے نام
اس طبی کتاب کو معنون کرنے کی سعادت
حاصل کرتا ہوں۔

حکیم الطاف احمد اعظمی

فہرست

۱. دیباچہ 15—22

۱. بنیادی باتیں 23—36

— طب کے معنی

— علم طب کی تعریف

— علم طب کی تقسیم

— موضوع طب

— نظریۂ طبیعت :

— لغوی معنی

— طبیعت کا طبی مفہوم

— بدن انسان میں طبیعت کی موجودگی کا ثبوت

— طبیعت کا تصور طب جدید میں

— کیا طبیعت اور مناعت ہم معنی الفاظ ہیں ؟

— طبیعت کا مدافعتی عمل

— طبیعت کا دفاعی نظام

— جزء طبی کے مباحث

— اُمور طبیعیہ کی تعریف

— اُمور طبیعیہ کے مباحث

۳. عناصر (اُسطقسات) 37—77

— لغوی معنی

— اصطلاحی معنی

— تعریف عناصر
— تعداد عناصر:
—— ایک عنصر کا نظریہ
—— دو عناصر کا نظریہ
—— عناصر ثلاثہ کا نظریہ
—— عناصر اربعہ کا نظریہ
—— عناصر اربعہ اور ارسطو
—— عناصر خمسہ کا نظریہ (آرویدی نظریہ)
—— لامحدود عناصر کا نظریہ
—— ذرات کا نظریہ
—— عناصر جدیدہ
— عناصر اربعہ اور طب یونانی
— عناصر اور بدن انسان
— بدن انسان میں عناصر کی تعداد
— کیمیاوی عملیات میں عناصر کا حصہ
— بقائے صحت اور تولید امراض میں عناصر کا رول
* اخلاط 78 — 117
— لغوی معنی
— اخلاط کی تعریف
— نظریۂ اخلاط اور بقراط
— اخلاط جالینوس کی نظر میں
— اخلاط ابوسہل مسیحی کی نظر میں
— اخلاط ابن سینا کی نظر میں
— اخلاط حکیم علی حسین گیلانی کی نظر میں
— اخلاط کے بارے میں عہد حاضر کے اطباء کا نقطۂ نظر

— قدیم نقطۂ نظر کے مطابق اخلاط اربعہ کی وضاحت:

—— خلط دم

—— خلط بلغم

—— خلط صفراء

—— خلط سوداء

— کیا خون اخلاط کا آمیزہ ہے؟:

—— پیشاب کے رنگ سے استدلال

—— بدن انسان کے رنگ سے استدلال

—— خون حیض سے استدلال

—— خون فصد سے استدلال

—— ادویہ سے استدلال

—— تولید جنین سے استدلال

—— دودھ سے استدلال

—— جدید تحقیقات سے استدلال

— دلائل مذکورہ کا تنقیدی جائزہ

— اخلاط میری نظر میں:

— اخلاط کا اطلاق جملہ رطوبات بدن پر

— باعتبار رنگ رطوبات بدن کی تقسیم:

—— خلط دم

—— خلط بلغم

—— خلط صفراء

۵ مزاج 118—148

— معنوی معنی

— مزاج کی تعریف

— امتزاج

— سوءِ مزاج اور ان کی قسمیں
— امزجۂ اسنان :
— مزاج صبیان
— مزاج شبان
— مزاج کہول و مشائخ
— امزجۂ اجناس :
— مردوں کا مزاج
— عورتوں کا مزاج
— غلبۂ اخلاط کے لحاظ سے مزاجی شخصیات :
— دموی المزاج
— صفراوی المزاج
— بلغمی المزاج
— سوداوی المزاج
— کیفیات اربعہ کے لحاظ سے مزاجی شخصیات :
— حار المزاج
— بارد المزاج
— یابس المزاج
— رطب المزاج
— امزجۂ اعضاء
— امزجۂ اصناف :
— قدیم اقلیمی تقسیم
— جدید اقلیمی تقسیم
— معتدل ترین منطقہ
— مذکورہ تصورِ مزاج پر ایک تنقیدی نظر

— امتزاج کی صورتیں :

—— امتزاج سادہ

—— امتزاج حقیقی

— امتزاج کے اسباب

— اقسام مزاج :

—— مزاج معتدل

—— مزاج معتدل کی قسمیں :

—— معتدل نوعی خارجی

—— معتدل نوعی داخلی

—— معتدل صنفی خارجی

—— معتدل صنفی داخلی

—— معتدل شخصی خارجی

—— معتدل شخصی داخلی

—— معتدل عضوی خارجی

—— معتدل عضوی داخلی

— مزاج غیر معتدل

— مزاج غیر معتدل کی قسمیں :

—— مزاج غیر معتدل مفرد حار

—— مزاج غیر معتدل مفرد بارد

—— مزاج غیر معتدل مفرد یابس

—— مزاج غیر معتدل مفرد رطب

—— مزاج غیر معتدل حار یابس

—— مزاج غیر معتدل بارد یابس

—— مزاج غیر معتدل حار رطب

—— مزاج غیر معتدل بارد رطب

— مزاج کے بارے میں صحیح نقطہ نظر

— مزاج کا حقیقی مفہوم

— مرکبات کا مزاج

— انسان کا مزاج

— مزاج کا عنصری تصور

— مزاج کی حقیقی تقسیم

۶۔ اعضاء 149—154

— عضو کی تعریف

— تقسیم اعضاء:

— اعضاء مفردہ

— اعضاء مرکبہ

— اعضاء مرکبہ کی تقسیم

۷۔ ارواح 155—167

— لغوی معنی

— روح کی حقیقت:

— روح کے بارے میں جالینوس کا نقطہ نظر

— علی بن ربن طبری کا نقطہ نظر

— علی ابن عباس مجوسی کا نقطہ نظر

— ابو سہل مسیحی کا نقطہ نظر

— ابن سینا کا نقطہ نظر

— برہان الدین نفیس کا نقطہ نظر

— علامہ ابن رشد کا نقطہ نظر

— روح کے بارے میں صحیح نقطہ نظر

— روح اور تولید حرارت

— قویٰ بدن اور روح
— حرارت غریزیہ اور روح
— اقسام روح:
— روح طبعی
— روح حیوانی
— روح نفسانی
— روح طبعی پر علامہ ابن رشد کا اعتراض
— قدیم تقسیم روح پر مولف کتاب کا اعتراض

۸۔ قویٰ 168—174
— لغوی معنی
— اقسام قویٰ:
— قوت طبیعیہ
— قوت نفسانیہ
— قوت حیوانیہ

۹۔ افعال 176
— افعال کی قسمیں:
— افعال مفردہ
— افعال مرکبہ

۱۰۔ امور طبیعیہ کا خلاصہ 176

۱۱۔ مراجع 177—179

دیباچہ

علم طب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک جزء نظری اور دوسرا جزء عملی۔ اسے علم نظری اور علم عملی بھی کہا جاتا ہے۔ جزء نظری کا تعلق اصول و مبادی سے ہے اور جزء عملی کا ان اصولوں کے مطابق عمل کرنے سے ہے۔ زیر نظر کتاب کا تعلق اس کے جزء نظری کے ایک جزء سے ہے جسے اُمور طبعیہ کہا جاتا ہے۔ جزء نظری کے باقی اجزاء (احوال بدن انسان اور اسبابؒ علامات) کے بارے میں اطباء کے درمیان کچھ زیادہ بحث و اختلاف نہیں لیکن امور طبعیہ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ ا[illegible]ں اس قدر دقیق فلسفیانہ بحثیں اور اتنے زیادہ نظریاتی اختلافات ہیں کہ طلباء تو درکنار اساتذۂ طب کے لیے بھی ان کی واقعی تفہیم مشکل ہے۔

غالباً انہی دور از کار فلسفیانہ بحثوں کی وجہ سے ابن سینا نے القانون میں جالینوس پر تنقید کی ہے کہ وہ طب میں فلسفہ کی باتیں کرتا ہے۔ شیخ الرئیس نے لکھا ہے کہ امور طبعیہ کو کسی بحث و دلیل کے بغیر مان لینا چاہیئے کیونکہ یہ طب کے لیے مسلّمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ طب علم طبعی کی ایک شاخ ہے اس لیے بھی یہاں دلیل و برہان کی حاجت نہیں، کیونکہ علوم جزئیہ کے مبادی ہمیشہ بلا دلیل مان لیے جاتے ہیں (القانون ج ۱ ص ۳۶)

امور طبعیہ کے باب میں ابن سینا کا مذکورہ خیال دسویں صدی عیسوی میں یقیناً اہمیت کا حامل رہا ہوگا کیونکہ اس عہد میں طب کا تعلق طبیعیات سے سمجھا گیا تھا لیکن عصر حاضر میں طبیعیات سے طب کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا بلکہ اس کا تعلق سائنس کی دوسری شاخوں یعنی علم الحیاتیات اور علم الکیمیا سے قائم ہو چکا ہے اس لیے اب شیخ کا خیال محل نقد و نظر ہے۔

اگر طب سائنس ہے اور یقیناً ہے تو پھر امور طبعیہ کو مسلّمات کے بجائے مسائل کا

درجہ دینا ہوگا اور اسے نظری اور عملی دونوں طرح کے دلائل سے ثابت کرنا ہوگا کیونکہ سائنسی علوم کی بنیاد قیاسات عقلی کے بجائے تجارب و استقراء پر ہے۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ اب تک امور طبعیہ کو سائنس کا درجہ نہیں دیا گیا بلکہ بدستور قدیم فلسفہ و منطق کی زلف پیچاں کی اسیر ہے۔ چنانچہ اب تک اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اسے مسلمات ہی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ متقدمین اطباء کی کتابوں میں اس موضوع سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اطباء متاخرین نے بس اسی کو کسی ادنیٰ نقد و احتساب یا تہذیب و تنقیح کے بغیر اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے۔ کسی نے بڑی کوشش کی تو قدیم کے ساتھ کچھ جدید معلومات کی پیوند کاری کر دی۔ لیکن موضوع کا اغلاق اور اس کے مسائل کی ژولیدگی اپنی جگہ جوں کی توں باقی رہی۔

اس سلسلے میں صرف ایک کتاب کو استثنائی حیثیت حاصل ہے اور وہ قانون عصری ہے جس کے مولف حکیم الیاس خاں ہیں[1]۔ اس کتاب میں قدیم نقطہ ہائے سے کلی انحراف تو نہیں کیا گیا ہے لیکن پھر بھی امور طبعیہ کے بعض مسائل کا بڑی دقت نظر کے ساتھ تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں ان پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ یہ کتاب قابل قدر ہوتے ہوتے بھی بہرحال اس اس راہ میں نقش اول کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ تو نہیں کہ زیر نظر کتاب امور طبعیہ پر حرف آخر ہے کیونکہ اس قسم کا دعویٰ کوئی صاحب علم بقید ہوش و حواس نہیں کر سکتا ہے لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ اس راہ میں یہ ایک اہم پیش رفت ہے۔ ہم نے امور طبعیہ کو فلسفہ کے بجائے سائنس کا درجہ دیا ہے اور اسی نقطۂ نگاہ سے اس کے مسائل کا جائزہ لیا ہے۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ یہ کتاب طلباء کی نصابی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ان کے اذہان کو بھی اپیل کرے اور طب کے اصول و نظریات پر ان کا یقین و اعتماد قائم ہو سکے۔

---

[1] حکیم اشتیاق احمد کی کتاب "کلیات عصری" بھی قابل قدر ہے لیکن اس میں تطبیق کا عنصر غالب ہے۔

ان تمہیدی سطور کے بعد اب ہم مباحث کتاب کا اختصار کے ساتھ تعارف کرائیں گے تاکہ مباحث کی نوعیت کا صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکے۔

ابتدا میں چند طبی امور کا تذکرہ ہے جن میں نظریۂ طبیعت بھی شامل ہے۔ طب میں نظریۂ طبیعت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اس پر مدلل بحث کی ہے اور جدید معلومات کی روشنی میں اس کے مدافعتی عمل کو واضح کیا ہے۔ یہ بحث بلا مبالغہ امور طبیعیہ میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ان تمہیدی امور کے بعد امور طبیعیہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس میں حسب ترتیب سب سے پہلے عناصر (اسطقسات) پر بحث کی گئی ہے۔ میں یہاں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ مبادیات طب پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں عناصر کا بیان مقدار اور معلومات دونوں اعتبار سے قلیل بھی ہے اور ناقص بھی۔ ہم نے قدیم یونانی حکماء و اطباء کی تحریروں کی روشنی میں نہ صرف اس میں مقداری اضافہ کیا ہے بلکہ اس میں جو تاریخی و علمی غلطیاں تھیں ان کو بھی درست کیا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے اساتذہ اور طلباء دونوں نظریۂ عناصر اور اس کے ارتقائی ادوار کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

اکثر ہندی اطباء عناصر اربعہ کے قدیم نظریے پر اب بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ راقم سطور کو اس سے اختلاف ہے۔ عہد حاضر میں عناصر کی تعداد ۱۰۶ تک پہنچ چکی ہے اس لیے عناصر اربعہ کے نظریے کو کسی طرح بھی درست نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ عناصر کی طبی تقسیم عددی نہیں بلکہ صفاتی ہے یعنی عناصر کی تعداد خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو ان کو باعتبار صفات چار ہی اجناس میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اس لیے عناصر کا قدیم نظریہ صحیح ہے۔ یہ دعویٰ بلا ثبوت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ متقدمین اطباء کی تحریروں میں اس قسم کی کوئی بات مذکور نہیں ہے۔ بقراط اور جالینوس سے لیکر ابن سینا تک ہر طبیب نے کسی استثناء کے بغیر یہی لکھا ہے کہ عناصر کی تعداد چار ہے جن کے باہم امتزاج سے کائنات کی ہر چیز بنی ہے۔ تعداد عناصر کے باب میں اطباء کا موجودہ رویہ قطعاً دفاعی اور تعصب و تنگ نظری کی پیداوار ہے۔ راقم کے خیال میں مناسب تر بات یہی

ہے کہ اس سلسلے میں جدید علم الکیمیا کی تحقیق کو قبول کر لیا جائے۔ لیکن اگر اطباء اس کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر عناصر کے بجائے اُسطقسات کی اصطلاح استعمال کی جائے۔ اس صورت میں اُسطقس کی تعریف میں تبدیلی ناگزیر ہو گی یعنی تسلیم کرنا ہو گا کہ اُسطقسات متشابہ الخواص اجزاء کے بجائے مختلف الخواص اجزائے اولیہ سے مرکب ہوتے ہیں۔

کلیات طب کی کتابوں میں یہ تو لکھا ہے کہ بدن انسان کی ترکیب میں عناصر شریک ہیں لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ بقائے صحت اور تولید امراض میں ان کا کیا رول ہے؟ ہم نے اس کتاب میں اس کمی کی بڑی حد تک تلافی کی ہے۔

عناصر کے بعد اخلاط کا بیان ہے۔ جالینوس اور ابن سینا کی پیروی میں اخلاط کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا گیا ہے اور یہ بھی مان لیا گیا ہے کہ عروق دمویہ کی رطوبت یعنی خون میں دیگر خلطیں مخلوط حالت میں پائی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں اطباء سلف وخلف کی طرف سے جو دلائل دیے گئے ہیں اور جنھیں حکیم کبیرالدین مرحوم نے اپنی کتاب "کتاب الاخلاط" میں جمع کر دیا ہے، وہ یکسر قیاسی نوعیت کے ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں ان دلائل کے ضعف کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اخلاط (رطوبات بدن) کی تعداد چار سے زیادہ ہے۔ قدیم اطباء بالخصوص اطباء یونان نے رطوبات بدن کو باعتبار رنگ چار حصوں میں تقسیم کیا تھا جسے غلطی سے بعد میں عددی تقسیم سمجھ لیا گیا۔ اسی طرح عروق دمویہ میں اخلاط اربعہ کی موجودگی کی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ خون دراصل مختلف کیمیاوی اجزاء کا مجموعہ ہے۔ انہی میں سے بعض کیمیاوی اجزاء کے سبب سے دموی رطوبت کا رنگ مختلف دکھائی دیتا ہے جسے اطباء نے غلطی سے متعدد رطوبات سمجھ لیا۔

اطباء سے ہماری گزارش ہے کہ اب خون کی ظاہری ہیئت سے قطع نظر کر کے اس کے کیمیاوی اجزائے ترکیبی کو غور و فکر کا موضوع بنایا جائے یعنی یہ دیکھا جائے کہ صحت کی حالت میں ایک تندرست آدمی کے جسم میں خون کے کیمیاوی اجزاء کیا اور کس مقدار میں ہوتے ہیں اور بیماری کی حالت میں اس میں کیا تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اخلاط بدن کے فزیالوجیکل ورکس اور میکنزم پر بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

طب میں نظریۂ مزاج سب سے زیادہ پیچیدگی رکھتا ہے اور اب تک ایک لاینحل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اطبا نے مزاج کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ تمام ترکیفی ہے جو عناصر کی متضاد کیفیات کے فعل و انفعال سے مرکبات میں وجود پاتا ہے۔ جدید علم کیمیا سے اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عناصر میں کیفیات نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے اس لیے کیفیات عناصر کے تصور سے بہرحال دستبردار ہونا ہوگا۔

اطباء نے جہاں انسانی مزاج سے بحث کی ہے وہاں عناصر کے بجائے اخلاط کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انسانی مزاج کی تشکیل مقادیر اخلاط کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ لیکن یہ امتزاج کس طرح وقوع میں آتا ہے اس سے انھوں نے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

راقم سطور کے نزدیک خلطی بنیادوں پر انسانی مزاج کی تشریح صحیح نہیں ہے۔ ہم نے تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ مزاج خواہ مرکبات کا ہو یا انسان و حیوان کا سب عناصر کے زیر تابع ہیں یعنی جب کسی مرکب یا بدن انسان میں عناصر ایک مخصوص تعداد و تناسب اور جوہری ترکیب سے ممزوج ہوتے ہیں تو مزاج بنتا ہے۔

اس عنصری مزاج کو معلوم کرنے کے لیے کیفیات اربعہ (حار، بارد، رطب، یابس) کی قدیم اصطلاحات استعمال کی جا سکتی ہیں لیکن اس سے مراد عنصری مفہوم ہوگا مثلاً جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص کا مزاج حار ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یا ہونا چاہیے کہ اس کے جسم میں عناصر ناریہ کو غلبہ حاصل ہے۔

امور طبیعیہ کے بیان میں اعضاء کی بحث بھی داخل ہے لیکن میرے خیال میں اس کا شمار امور طبیعیہ میں نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ وہ امور ہیں جن پر بدن انسان کا قیام منحصر ہے۔ اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو جائے تو جسم کا قیام مشکل ہے۔ ظاہر ہے کہ اعضاء پر اس تعریف کا کلی اطلاق مشکل سے ہوگا۔

امور طبیعیہ میں روح کی بحث بھی بے حد اہم ہے۔ اکثر اطبا نے روح کی تعریف میں غلطی کی ہے اور روح و نفس کو خلط ملط کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ روح طبی نقطۂ نظر سے ایک مادی جسم ہے جسے جدید علم الکیمیا میں آکسیجن کہا جاتا ہے۔ روح کا تعلق دراصل خلیاتی استحالہ (CELL METABOLISM) سے ہے اور اسی حیثیت سے اس

کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

جہاں تک نفس کا تعلق ہے تو وہ بطون دماغ میں مخفی ایک غیر مادی وجود ہے۔ چونکہ اس کا مشاہدہ ممکن نہیں ہے اس لیے جدید ذہن اس کو قبول نہیں کرتا لیکن بدن انسان کے بہت سے انفعالات مثلاً غم، خوف، فکر اور ندامت وغیرہ کی صحیح توجیہہ اس مخفی قوت کو ماننے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اب تو ایلوپیتھی میں بھی نفسی جسمی امراض (PSYCHO SOMETIC DISEASES) کی اصطلاح رائج ہو چکی ہے جو نفس کے وجود کی ایک بڑی دلیل ہے۔ لیکن کتاب میں اس موضوع پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے کیونکہ امور طبیعیہ میں یہ شامل نہیں ہے۔ اس میں ساری گفتگو روح سے متعلق ہے۔

امور طبیعیہ میں آخری چیز قویٰ اور افعال ہیں۔ تمام ہی اطباء نے ان کا ذکر دو علیحدہ اشیاء کی حیثیت سے کیا ہے لیکن فی الواقع یہ ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ اصل قویٰ ہیں اور افعال اس کے خارجی مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قوت ایک غیر مرئی شے ہے اس کا مشاہدہ صرف فعل ہی کی صورت میں ممکن ہے مثلاً ایک گاڑی کے متحرک پہیوں کی حرکت کا سبب وہ قوت ہے جو پٹرول کے جلنے سے انجن میں پیدا ہوتی ہے۔ اس قوت کے بغیر گاڑی کے پہیوں کی حرکت ممکن نہیں ہے۔ لیکن حرکت مشہود اور قوت غیر مشہود ہوتی ہے۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ قویٰ اور افعال متحد الوجود ہیں چونکہ قویٰ ناقابل مشاہدہ ہیں اس لیے طب میں افعال کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

یہ ہیں امور طبیعیہ سے متعلق وہ موضوعات جن پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

لاریب، ہمارا طبی ورثہ نہایت قیمتی اور لائق استفادہ ہے لیکن یہ بھی ماننا ہوگا کہ اس میں کمیاں اور خامیاں بھی ہیں۔ مبادیات طب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ جب تک اطباء اور بہی خواہان طب ان کمیوں اور خامیوں کو محسوس نہ کریں گے طب کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ زیر نظر کتاب میں نہ صرف مبادیات طب سے متعلق کمیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے بلکہ حتی المقدور ان کی تکمیل و اصلاح کی بھی سعی کی گئی ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ یہ کتاب امور طبیعیہ کے باب میں تقلید جامد کی موجودہ روش کو ختم کر کے تحقیق و اجتہاد کی راہ کھولنے میں معاون ثابت ہوگی۔

ناسپاسی و ناقدر شناسی ہوگی اگر میں یہاں ترقی اردو بیورو نئی دہلی کا ذکر نہ کروں

جس نے اس کتاب کی اشاعت کا انتظام کر کے مجھے گوناگوں ذہنی اور مالی مشکلات سے مخلصی بخشی۔ میری دعا ہے کہ یہ ادارہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے، اور اردو زبان کی ترقی و اشاعت میں دیگر اداروں پر سبقت لے جائے۔

میں اُن تمام احباب اور مخلصین کا شکر گزار ہوں جو برابر مجھے اس اہم کام کی انجام دہی کے لیے متوجہ کرتے رہے اور ساتھ ہی تحقیق کی وادیٔ سنگلاخ میں جادہ پیمائی کے لیے میرے حوصلوں کو بھی مہمیز کرتے رہے۔ ان محبین و مخلصین میں حکیم شفقت اعظمی، حکیم احتشام الحق قریشی اور حکیم شکیل تمنا کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

آخر میں اطباء کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کا معروضی مطالعہ فرمائیں۔ چونکہ یہ ایک تحقیقی کام ہے اس لیے اس میں فکری لغزشوں اور علمی فروگزاشتوں کا قوی امکان ہے۔ توقع ہے کہ اطباء اور ارباب علم و فن میری غلطیوں سے مجھے آگاہ فرمائیں گے۔ میں اس کرم فرمائی کے لیے ان کا تہ دل سے ممنون ہوں گا۔

الطاف احمد اعظمی
ہمدرد نگر، نئی دہلی

بنیادی باتیں

امورِ طبیہ پر گفتگو سے پہلے چند بنیادی باتوں کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے مثلاً طب کے معنی، علمِ طب کی تعریف اور اس کی قسمیں وغیرہ کیونکہ ان کی حیثیت طب کے طالب علم کے لیے حروفِ ابجد کی سی ہے، ان کو جانے بغیر اگر وہ آگے بڑھ گیا تو گویا اس نے کچھ نہیں جانا۔

طب کے معنی

طب کے لغوی معنی یہ ہیں[1]: جادو[2]، اصلاح و پیوند کاری، عادت اور دانائی۔ مؤخر الذکر معنوں میں بولتے ہیں: فلانٌ طبُّہ الجنون "فلاں کی عادت مذاق کی ہے"۔ ہو طبٌ بہذا الامر "وہ اس کام کا عالم ہے"[3]۔

علم العلاج کے لیے بطور اصطلاح اس لفظ کے انتخاب کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ جس طرح ایک ماہر جادوگر سے چشم زدن میں ایک ایسا واقعہ صادر ہوتا ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس کی عقلی توجیہہ مشکل ہوتی ہے، اسی طرح ایک حاذق طبیب مناسب دواؤں کے انتخاب سے کسی مرض کو آناً فاناً اس طرح دور کر دیتا ہے کہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، روتا ہوا مریض ہنسنے لگتا ہے اور علاج کی زود اثری کو دیکھ کر لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ علاج نہیں جادو ہے۔

بدنِ انسان کے کسی عضو میں جب کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو اس کے افعال میں لازماً ایک انتشاری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے گویا عضوِ متاثرہ کے بکھیے ادھڑ جاتے ہیں۔ طبیب دواؤں کے ذریعہ عضوِ متاثرہ کی انتشاری حالت کو رفع کرتا ہے گویا یہ طبی

---

[1] منجد

[2] طب الرجل (کسی کا جادو کرنا)

[3] طب الخیاط الثوب، طب القربۃ (کپڑے اور مشک میں پیوند لگانا)

پیوندکاری ہے۔ علاج و معالجہ طبیب کی عادت ثانیہ ہوتی ہے اور اس کا عاقل و دانا ہونا تو ایک بدیہی امر ہے۔ اس طور پر دیکھیے تو متذکرہ چاروں معانی اس اصطلاح سے نہایت خوبی کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ طب کا لفظ بولتے ہی یہ تمام معانی فوراً ہی ذہن میں آجاتے ہیں۔

علم طب کی تعریف طب وہ علم ہے جس سے بدن انسان کے حالات خواہ وہ صحت کے ہوں یا عدم صحت کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس کی غرض یہ ہے کہ اگر صحت ہے تو اس کی حفاظت کی جائے یعنی اسے مرض سے بچایا جائے اور اگر صحت زائل ہوگئی ہے یعنی مرض لاحق ہوچکا ہے تو اسے دور کر کے صحت کو واپس لایا جائے[1]

علم طب کی تقسیم علم طب کے دو جزء ہیں ایک جزء علمی یا نظری اور دوسرا جزء عملی۔ جزء علمی میں ان امور سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق عمل سے نہیں ہوتا بلکہ اس سے محض چند چیزوں کے بارے میں نظری معلومات (THEORETICAL KNOWLEDGE) حاصل ہوجاتی ہیں مثلاً اخلاط کسے کہتے ہیں ان کی تعداد کیا ہے یا ارکان چار ہوتے ہیں وغیرہ۔ اس کے برخلاف جزء عملی میں محض علم پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں حاصل شدہ علم کا طریقہ استعمال بتایا جاتا ہے یا ابن سینا کے الفاظ میں اس میں کیفیت عمل کو بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً اورام حارہ کی ابتدا میں رادع، مبرد اور مکثف دوائیں استعمال کی جاتیں۔ اس کے بعد رادعات کے ساتھ مرخیات ملادی جاتیں پھر انتہا کے بعد انحطاط تک محض مرخیات محللہ پر قناعت کی جاتی[2]

موضوع طب علم طب کا موضوع بدن انسان ہے اور انسانی جسم دو حالتوں میں سے ایک حالت میں ضرور ہوگا یعنی حالت صحت یا حالت مرض اور علم طب انہی دو حالتوں سے بحث کرتا ہے۔

نظریۂ طبیعت طب یونانی کو دوسری طبوں کے مقابلے میں جو امتیازات حاصل ہیں

---

[1] ابن سینا: القانون فی الطب ج ۱ ص ۳

[2] القانون فی الطب ج ۱ ص ۳

ان میں ایک طبیعت کا تصور بھی ہے۔ ڈاکٹر گرونر نے ابن سینا کی شہرۂ آفاق کتاب القانون فی الطب کے حصہ کلیات کی جو شرح لکھی ہے اس میں اس نظریے کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے[1]:

"میں نے قانون شیخ کا انتخاب کیوں کیا؟ دیگر وجوہ کے ساتھ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شیخ الرئیس طبیعت کے قائل ہیں اور طبیعت کا نظریہ جراثیم کے نظریے سے زیادہ گہرا ہے۔"

نظریۂ طبیعت کی اس اہمیت و فضیلت کا تقاضا ہے کہ یہاں اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے۔

طبیعت کے لغوی معنی

طبیعت کا لفظ طبع سے بنا ہے جس کے معنی کسی چیز کے بنانے، چھاپنے اور ڈھالنے کے ہیں، اور طبیعت کے معنی اس مخصوص ترکیب (مزاج) کے ہیں جو کسی شے کے اندر پائی جاتی ہے۔ بعض اطباء متقدمین نے بحث مزاج میں مزاج کی جگہ طبیعت ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے معنی خصلت و عادت کے بھی ہیں لیکن طب میں اس سے یہ معنی مراد نہیں لیے جاتے۔

طبیعت کی تعریف

طبیعت کی تعریف عام طور پر اطباء اور حکماء نے اس طرح کی ہے:

الطبیعة هی مبدء الاول لحرکة ما هی فیه اعنی الجسم الطبیعی ولسکونه بالذات[2]

طبیعت وہ قوت ہے جو جسم طبعی کی جس کے اندر وہ پائی جاتی ہے حرکت وسکون کی بالذات مبدأ ہے۔

فردوس الحکمت میں علی بن ربن طبری نے معمولی فرق کے ساتھ طبیعت کی یہی تعریف لکھی ہے:

وحد الطبیعة من جهة التعلیم انها ابتداء الحرکة والسکون وانما یکون

نظری اعتبار سے طبیعت کی تعریف یہ ہے کہ وہ حرکت و سکون کی ابتدا ہے اور تمام

---

[1] حکیم کبیرالدین، رسالہ جراثیم اور طبیعت ص۱

[2] علامہ برہان الدین نفیس، نفیسی (مع حاشیہ مولانا عبدالحلیم) ص۱۱

ابتداءکون الاشیا کلّھا بالحرکة وانتھاؤھا بالسکون وحدّھا من جھة الطباع انّھا القوة المدبّرة للاجسام

اشیاء کے وجود کی ابتدا حرکت سے ہے اوران کی انتہا سکون پر ہوتی ہے۔ اور عملی ومزاجی اعتبار سے اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ تمام اجسام کی قوت مدبّرہ ہے۔

(فردوس الحکمت ص۱۲)

طبیعت کی یہ تعریف ارسطو کی تعریف سے ماخوذ ہے[۱]۔ ارسطو نے جسم طبعی کی اس مخفی قوت کے لیے جو یونانی لفظ استعمال کیا ہے وہ PHYSIS یا PHUSIS ہے[۲]۔ جس کے معنی تقریباً نیچر کے ہیں۔ طبیعت کی مذکورہ تعریف ارسطو نے اپنی فزکس میں حرکت (MOTION) کی بحث میں لکھی ہے۔ چونکہ طب یونانی کے اکثر اصول ونظریات قدیم طبیعیات سے ماخوذ ہیں[۳] اس لیے طبیعت کی تعریف بھی وہیں سے لے لی گئی۔ لیکن اطباء متاخرین نے اس کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ اس سے زیادہ جامع ہے۔ چنانچہ اب طبیعت کا لفظ بول کر اس سے بدن کی ایک ایسی مخفی قوت مراد لی جاتی ہے جو اس کے افعال واعمال کو ٹھیک طور پر انجام دینے کی ذمہ دار ہے اور جب کسی اندرونی یا بیرونی سبب سے اس میں کسی طرح کا کوئی خلل واقع ہوتا ہے تو اس کی اصلاح بھی کرتی ہے اسی لیے اس کا دوسرا نام قوت مدبّرۂ بدن بھی ہے۔ حکیم کبیرالدین لکھتے ہیں[۴]:

"بدن کے اندر اصلاح وتدبیر کے سارے کام طبیعت ہی کے سپرد ہیں اور

۱۔ ارسطو نے نیچر کی تعریف میں لکھا ہے: NATURE IS A SOURCE OF BEING MOVED OR AT REST
(دیکھیں: ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی برٹرینڈ رسل، ص ۲۲۸)

۲۔ ایضاً ص۲۲

۳۔ القانون فی الطب ج ۱ ص۳۶

۴۔ حکیم کبیرالدین، افادۂ کبیر مفصل ص ۱۵

امراض کا بھی مقابلہ کرتی ہے اور مقابلہ کے دوران میں ایسے عجیب و غریب افعال انجام دیتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ہماری طب کو جو خصوصی امتیازات حاصل ہیں ان میں سب سے اہم انسانی طبیعت کے وجود کا اقرار ہے چنانچہ جب طبیعت کمزور ہو جاتی ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی جیسا کہ امراض مزمنہ میں آخر وقت اور بڑھاپے میں غایت پیری کے وقت دیکھا جا سکتا ہے۔

ہماری طب کا مشہور مقولہ ہے کہ معالج حقیقت میں طبیعت ہے، طبیب معالج نہیں ہے۔ یہ بے چارہ تو خادم کی حیثیت رکھتا ہے جو اصل معالج کی امداد و اعانت کے فرائض انجام دیتا ہے۔"

ایک دوسری جگہ انھوں نے لکھا ہے[1]:

"جب جراثیم ہمارے جسم میں داخل ہو کر بگاڑ کا کام شروع کر دیتے ہیں تو طبیعت بیدار ہو کر اس بگاڑ کی روک تھام میں لگ جاتی ہے۔ یعنی جراثیم اگر فساد مچانا چاہتے ہیں تو طبیعت اس سے مقابلہ کے لیے کھڑی ہو جاتی ہے اور اس فساد کو زیادہ بڑھنے نہیں دیتی۔ تدبیر و اصلاح کے یہی معنی ہیں اور اسی معنی میں طبیعت کو مدبر بدن کہا جاتا ہے۔"

بدن انسان میں طبیعت کی موجودگی کا ثبوت | ہم دیکھتے ہیں کہ کسی شہر یا قصبہ میں جب کوئی وبائی مرض پھیلتا ہے تو جہاں بہت سارے لوگ اس وبا کا شکار ہو کر بیمار ہو جاتے ہیں وہیں کچھ لوگ اس وبا سے محفوظ بھی رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی گھر میں کچھ لوگ بیمار ہوتے ہیں اور کچھ بیمار نہیں ہوتے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے بدن میں ضرور کوئی ایسی طاقت ہے جو انھیں بیماری کے حملہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور یہ طبیعت کے وجود کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ علی ابن عباس مجوسی نے وبائی امراض

---

[1] رسالہ جراثیم اور طبیعت ص۸

کے ضمن میں لکھا ہے[1]:

"وہ ابدان جن کا مزاج ہوائے وبائی کے مزاج کے مخالف ہو تو ایسے ابدان کو بھی تغیر ہوا سے کوئی عزر لاحق نہ ہوگا اور وہ حالت صحت پر ہوں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان بدنوں کا مزاج، خراب ہوا کے مزاج پر غالب آجاتا ہے اور ہوائے ردی کی خرابی کو توڑ کر ختم کر دیتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو خرابی ہوا کے وقت سب لوگ بیمار ہو جاتے اور زمانہ وبا میں جس شہر میں وبا پھیلتی اس کے سارے باشندے ہلاک ہو جاتے۔"

اس عمل میں جو چیز مزاج کی معاونت کرتی ہے وہ طبیعت ہے۔ مجوسی نے ایک دوسری جگہ بقراط کے حوالہ سے لکھا ہے[2]:

"بقراط کا کہنا ہے کہ طبیعت ہی امراض کا ازالہ کرتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اکثر امراض میں چھوٹے چھوٹے زخم علاج کے بغیر ہی ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے اوجاع و امراض ساکن ہو جاتے ہیں جب کہ مریض کو نیند آجاتی ہے، بہت سے درد محض صبر کرنے سے رفع ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہمارا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جس میت سے طبیعت جدا ہو جاتی ہے اس میں فساد کا عمل برابر جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو پورے طور پر فنا کر دیتا ہے۔"

خوردبینی تحقیقات سے اب یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ہمارے چاروں طرف جراثیم موجود ہیں حتیٰ کہ ہمارے منہ، ناک اور پھیپھڑوں میں بھی یہ ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ پانی اور ہوا میں بھی ان کی موجودگی ثابت ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ ہم عام حالات میں بیمار نہیں ہوتے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ہمارے جسم کے ایک ایک عضو میں ایک فطری دفاعی لائن قائم ہے جو ان جراثیم کو بے اثر بنائے رکھتی ہے اور وہ جب بھی داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں انھیں تباہ و برباد کر دیتی ہے۔

---

[1] کامل الصناعۃ ج ۱ ص ۱۴۹

[2] ایضاً ص ۱۳۸

طبیعت کا تصور طب جدید میں

طب جدید میں طبیعت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے لیکن اس بات کو وہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ بدن میں طبعی طور پر ایک ایسی قوت موجود ہے جو اسے عام حالات میں جراثیم کے حملے سے محفوظ رکھتی ہے اور جب کسی وجہ سے جراثیم جسم میں داخل ہو جاتے ہیں تو یہ قوت ان کو نیست ونابود کرنے میں لگ جاتی ہے۔ اگر جراثیم کے مقابلے میں یہ قوی ہوتی ہے تو مرض کا جلد ہی خاتمہ ہو جاتا ہے بصورت دیگر مرض شدت اختیار کر لیتا ہے اور اس صورت میں خارجی ذرائع یعنی دواؤں سے انھیں ہلاک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بدن کی اس مخفی قوت کو طب جدید کی اصطلاح میں NATURAL IMMUNITY (فطری مناعت یا قوت مدافعت) کہا جاتا ہے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسم میں کسی خاص مرض کے حملے سے حفاظت کے لیے مصنوعی طریقے سے مناعت پیدا کی جاتی ہے جس کا نام ACQUIRED IMMUNITY (اکتسابی مناعت) ہے اور اس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) ACTIVE IMMUNITY (مناعت فاعلی)

(۲) PASSIVE IMMUNITY (مناعت منفعلی)

اوّل الذکر میں بدن کے نظام مدافعت کو متحرک کیا جاتا ہے اور اس مقصد کے لیے ویکسین کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل کوئی مادہ یا مردہ مائکروب (جراثیم) ہوتے ہیں جو جسم میں جا کر لمفوسائٹس اور اینٹی باڈیز (اجسام ضدیہ) کی افزائش کرتے ہیں۔ موخرالذکر طریقے میں جسم کے اندر اینٹی باڈی منتقل کیے جاتے ہیں۔

کیا طبیعت اور مناعت ہم معنی الفاظ ہیں؟

عام طور پر غلطی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ طبیعت اور قوت مناعت ہم معنی الفاظ ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ طبیعت کا مفہوم قوت مناعت سے کہیں زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ طبیعت دراصل ایک ایسی قوت ہے جو صرف جسم کو امراض کے حملے سے ہی نہیں بچاتی بلکہ عام حالات میں بھی جسم کی اصلاح و تدبیر کے کاموں میں مصروف رہتی ہے جس کی وجہ سے جسمانی نظام میں

کوئی خلل واقع نہیں ہوتا گویا طبیعت کے دائرہ کار میں صحت اور مرض دونوں داخل ہیں جب کہ قوت مناعت کا کام صرف جراثیم کے حملہ سے جسم کو بچانا اور حملہ ہو جانے کی صورت میں ان کا مقابلہ کر کے ان کے مضر اثرات سے بدن کو محفوظ رکھنا ہے۔

طبیعت کا مدافعتی عمل بدن میں کسی مرض کے ظہور کے وقت یا طب جدید کی اصطلاح میں جراثیم کے حملہ کے وقت طبیعت کس طرح بدن کی محافظت کا فرض انجام دیتی ہے اس کی تفصیل یونانی اطباء کی تحریروں میں نہیں ملتی۔ طبیعت کے مدافعتی عمل کو ہم یہاں جدید تحقیقات کے مطابق بیان کرتے ہیں۔

انسان کی جلد، اس کی ناک، اس کے پھیپھڑے، اس کا منہ اور اس کی آنتوں والی نالیاں بیماری پھیلانے والے جراثیم (مائکروب) کے خلاف پہلے دفاعی مورچے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جراثیم عام طور پر جسم کے خارجی دفاعی نظام پر حملہ کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس دفاعی نظام کو توڑ کر سرعت کے ساتھ انسجہ (TISSUES) تک پہونچ جائیں کیوں کہ اندر وہ تا دیر محفوظ حالت میں رہ کر نشو و نما پا سکتے ہیں۔[1]

جراثیم جیسے ہی خون میں داخل ہوتے ہیں، طبیعت اور جراثیم کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اس جنگ میں طبیعت کی طرف سے جو فوج حصہ لیتی ہے اس کا نام سفید خلیے (W.B.C) ہیں۔ جس طرح خون میں موجود سفید خلیے جراثیم

---

[1] جب مائکروب خلیوں میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو خلیے موت کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن مرنے سے پہلے یہ کچھ ایسے مادے خارج کر جاتے ہیں جو جسم کے اندرونی دفاعی نظام کو خبردار کر دیتے ہیں اس کے نتیجے میں جراثیم کی جارحیت ۴۸ گھنٹوں کے اندر پسر و ثمین اور کاربو ہائیڈریٹ سے بنے ہوتے مالیکیول جن کو INTERFERON کہا جاتا ہے، باقیماندہ خلیوں کو ایک ایسے مادے کی پیدائش پر لگا دیتے ہیں جس کی موجودگی میں ہر قسم کے مائکروب اپنی تولیدی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں۔ جب تک ان مالیکیول کی پیدائش جاری رہتی ہے جسم کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔

کا مقابلہ کرتے ہیں اسی طرح رطوبت لمفاویہ اور لمفی عقدے بھی طبیعت کے مدافعتی عمل میں حصہ لیتے ہیں۔

وہ مائکروب جو خون کی نالیوں میں موجود سفید خلیوں سے بچ نکلتے ہیں وہ لمفی نالیوں کے ذریعہ لمفی عقدوں تک آجاتے ہیں۔ عروق لمفاویہ جن انسجہ سے بنے ہوتے ہیں وہ پیچیدہ اور کھُردرے ہوتے ہیں اور ان میں جو لمفی سیال بہتا ہے اس سے مائکروب فلٹر ہو جاتے ہیں اور ان عقدوں کے سفید خلیوں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ لمفی عقدوں اور نالیوں کی تنفس اور ہاضمے کی نالیوں میں کثرت ہوتی ہے اور یہی وہ علاقہ ہے جس پر جراثیم اکثر حملہ کرتے ہیں، جب متاثرہ علاقے میں لمفی اجتماع ہوتا ہے تو عقدے ابھر آتے ہیں اور درد ہوتا ہے اور یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ قریب ہی تعدیہ (انفکشن) موجود ہے۔ یہ لمفی بافتیں (LYMPHATIC TISSUE) ہیں جو گلے اور ناک کی حفاظت کرتی ہیں۔

طبیعت کا دفاعی نظام

طبیعت کا دفاعی نظام تین حصوں پر مشتمل ہے:

(۱) سفید خلیے (W.B.C.)

(۲) ضد جسم (ANTIBODY)

(۳) متعلقہ (COMPLRMENTS)

لمفہ یہ پانی جیسی شفاف رطوبت ہے جو عروق لمفاویہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ عروق شعریہ سے چھن کر اعضا کے جوفوں میں آتی ہے۔ اس میں کثیر تعداد میں کریات بیضا (زیادہ تر کریات لمفاویہ) ہوتے ہیں جو ۵ ہزار سے لے کر ۲۰ ہزار فی مکعب ملی میٹر ہوتے ہیں۔ اس کے غیر خلوی جزء کی ترکیب اس طرح ہے: پانی ۹۵ فیصد جامد اجزاء ۶ فیصد جن میں لحمیات شحمیات شکریات اور دیگر چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ جسم کے مختلف مقامات پر اس کے بہاؤ کی رفتار مختلف ہوتی ہے مثلاً مجری صدر میں اس کے بہاؤ کی رفتار ایک سے ۱.۵ ملی لیٹر فی منٹ ہوتی ہے۔
(کلیات عصری ص ۱۵۰)

سفید خلیے

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، خون کے سفید خلیے طبیعت کی باضابطہ فوج کی حیثیت رکھتے ہیں اور جراثیم کو ہلاک کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ عام حالات میں خون کے اندر سفید دانوں کی تعداد سرخ دانوں کے مقابلے میں زیادہ نہیں ہوتی۔ اگر سرخ دانے ۵۰۰ ہوتے ہیں تو سفید دانہ ایک ہوتا ہے طبعی طور پر خون میں سفید دانوں کی مجموعی تعداد ۵ سے ۱۱ ہزار فی مکعب ملی میٹر ہوتی ہے لیکن جب جسم میں کوئی تعدیہ ہوتا ہے تو ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور یہ نسبت ۱ اور ۵۰۰ کی ہو جاتی ہے۔

خون کے سفید خلیے (W.B.C) خون میں ہمہ وقت موجود رہتے ہیں اور بہتے رہتے ہیں اور جیسے ہی ان کو کسی مائکروب کی موجودگی کا علم ہوتا ہے وہ فوراً وہاں پہنچ کر صف آرا ہو جاتے ہیں۔ پہلے وہ مائکروب کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں تاکہ وہ دوسرے مقامات تک نہ پہنچ سکیں اور اس کے بعد ان کو ہضم کرنا شروع کرتے ہیں۔ یہ دراصل ایک جنگ ہوتی ہے اور اس جنگ میں جہاں مائکروب ہلاک ہوتے ہیں وہاں خلیے بھی مرتے ہیں جن کا مشاہدہ پیپ کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ گویا میدان جنگ کی لاشیں ہیں۔

خون کے یہ سفید خلیے چار قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) نیوٹروفل (NUTROPHIL)

(۲) مونوسائٹس (MONOCYTES)

(۳) ایوسنوفل (EOSINOPHIL)

(۴) لمفوسائٹس (LYMPHOCYTES)

نیوٹروفل کا کام حملہ آور ہونے والے مواد اور خلوی ریزوں کو گھیرنا اور کھانا ہے، مونوسائٹس کا کام بھی تاکّل ہے، ایوسنوفل وارد ہونے والے زہریلے پروٹینی مادے کو بے ضرر بنا دیتا ہے۔

لمفوسائٹس، سفید خلیوں کی وہ قسم ہے جو ایک ہی قسم کے مائکروب کے آئندہ حملوں سے بچاتی ہے۔ کسی بھی فرد کے جسم میں کئی قسم کے لمفوسائٹس ہو سکتے ہیں جب تک کوئی مائکروب انفکشن پیدا نہ کرے کئی قسم کے لمفوسائٹس تھوڑی بہت

تعداد میں موجود ہوتے ہیں لیکن ناپختہ حالت میں ہوتے ہیں۔ جب کوئی مائکروب جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور اضطراب کا باعث بنتا ہے تو اس کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کی پختگی بھی بڑھ جاتی ہے۔

خون کے سفید خلیوں کا مبدا ہڈیوں کا گودا (BONE MARROW) ہوتا ہے لیکن گودے میں ابتدائی اور ناپختہ لمفوسائٹس ہوتے ہیں۔ جو جسم کے دوسرے حصوں کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں اور وہاں ترقی پا کر پختہ اور عملی خلیے بن جاتے ہیں۔ گودے سے نکلنے والے ۵۰ فیصد لمفوسائٹس، تھائمس (THYMUS) سے گزرتے ہیں (یہ ایک غدود نما ساخت ہے جو حلق کے پاس ہوتی ہے) تھائمس سے گزرنے والے لمفوسائٹس تنفس میں جانے سے پہلے ایک خاص قسم کے لمفوسائٹ بن جاتے ہیں جن کو ٹی سیل (T-CELL) کہا جاتا ہے[1]۔ ٹی سیل چار طریقے سے جسم کا دفاع کرتے ہیں:

(۱) خود کو حملہ آور شے سے پیوست کر کے اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔

(۲) ایک ایسا مادہ خارج کرتے ہیں جو سفید خلیوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

(۳) حملہ آور شے کے خلاف زہریلے مادے خارج کرتے ہیں۔

(۴) بعض دوسرے لمفوسائٹس کی کارکردگی کو بہتر بناتے ہیں۔

لمفوسائٹس کی ایک دوسری قسم کا نام B-CELL ہے۔ یہ ٹی سیل کی بہ نسبت ناپختہ لمفوسائٹس ہوتے ہیں اور تھائمس سے نہیں گزرتے بلکہ براہ راست خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ہر بی سیل ایک خاص قسم کی اینٹی باڈی کی تخلیق کرتا ہے جو خاص قسم کے مائکروب کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ایک سیکنڈ میں ایک بی سیل خاص قسم کے کوئی دو ہزار (۲۰۰۰) اینٹی باڈی مالیکیول پیدا کر سکتا ہے۔ حملہ کو ناکام بنانے کے بعد ٹی یا بی سیل کی کثیر تعداد آئندہ اس قسم کے وائرس یا مائکروب کے حملے کو روکنے کے لیے محفوظ ہو جاتی ہے۔

---

[1] ایڈس کی بیماری (ANTI DEFICIENCY SYNDROME) میں جو آج کل افریقی اور مغربی ملکوں میں خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے، یہی ٹی سیل وائرس کے حملہ کا اصل نشانہ

ضد جسم (انٹی باڈی) یہ پروٹینی مالیکیول ہوتے ہیں جن کو لمفو سائٹس پیدا کرتے ہیں۔ یہ جسم میں مائکروب کے دخول کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر خون کی گردش کے ساتھ متاثرہ حصے تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور اس طرح سفید خلیے بآسانی حملہ آور مائکروب کو تلاش کر کے ان کو ختم کر دیتے ہیں۔ لمفو سائٹس متعدد اقسام کے انٹی باڈی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ مائکروب کی متعدد قسمیں ہوتی ہیں اور ان کی الگ الگ شکل وجسامت بھی ہوتی ہے اس لیے ان کو ہلاک کرنے کے لیے متعدد اور مختلف الاشکال انٹی باڈیز کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام لمفو سائٹس حیرت انگیز حد تک خوبی سے انجام دیتے ہیں۔

پہلی بار جب کسی مائکروب کا حملہ ہوتا ہے تو شروع میں انٹی باڈیز کی پیدائش کا عمل نہایت سست ہوتا ہے اور تقریباً دو ہفتے تک یہی سست رفتاری قائم رہتی ہے اس کے بعد دھیرے دھیرے اس کی رفتار پیدائش میں اضافہ ہوتا ہے۔ انٹی باڈی اس وقت زیادہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں جب ایک ہی قسم کا مائکروب دوبارہ حملہ کرتا ہے۔ اس وقت خون میں اس کی پیدائش کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اور یہی تیز رفتار اور موثر عمل "مدافعت (IMMUNITY) کہلاتا ہے۔ انٹی باڈیز کا اصل کام سفید خلیوں کی مدد کرنا ہے۔

متعلقہ (COMPLEMENTS) یہ ایک ایسا مادہ ہے جو خون میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ یہ گیارہ خامروں (انزائم) کا ایک پیچیدہ اور نازک مرکب ہے جو تعدیہ (انفکشن) کے خلاف جسم کی قوت مدافعت میں اضافہ کرتا ہے۔ جب کوئی انٹی باڈی ایک مخصوص مائکروب کو شناخت کر کے اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو متعلقہ (COMPLEMENTS) کا ایک انزائم اس انٹی باڈی کے ساتھ ہو جاتا ہے اور مائکروب کی بیرونی جھلی میں سوراخ کر کے مائکروب کو مار ڈالتا ہے۔ اس انزائم کے علاوہ متعلقہ کے باقی انزائم کچھ ایسے مادوں کا امتزاج پیدا کرتے ہیں جن کی مدد سے سفید خلیے [illegible] کے ساتھ مائکروب کو شناخت کر کے

تک کھینچ لاتا ہے، ایک دوسرا مادہ ہسٹامن (HISTAMIN) ہے جو سفید خلیوں کے بہاؤ کے عمل کو تیز تر کر دیتا ہے اور ایک تیسرا مادہ سفید خلیوں کو خون کے ساتھ التصاق میں مدد دیتا ہے۔

جزو علمی کے مباحث جزو علمی چار حصوں میں منقسم ہے:

۱۔ اُمور طبیعیہ
۲۔ بدن انسان کے حالات
۳۔ اسباب
۴۔ علامات۔

امور طبیعیہ کی تعریف امور طبیعیہ کی اصطلاح دو لفظوں سے مرکب ہے، امور اور طبیعیہ۔ ان کے لفظی معنی ہیں۔ طبیعت کی چیزیں یا طبیعت سے متعلق چیزیں۔ اب سوال یہ ہے کہ خود طبیعت کا کیا مفہوم ہے یہ دراصل بدن انسان کی ایک مہتم بالشان قوت کا نام ہے جو بلا ارادہ و شعور جسم کی تدبیر و اصلاح کا کام انجام دیتی ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے بتایا گیا۔

طبیعت کی چیزیں یا امور طبیعیہ سے حسب ذیل سات چیزیں مراد ہیں اور یہی اس کتاب کے مباحث بھی ہیں:

۱۔ ارکان یا اسطقسات (ELEMENTS)
۲۔ اخلاط (HUMOURS)
۳۔ مزاج (TEMPERAMENTS)
۴۔ اعضاء (ORGANS)
۵۔ ارواح (PNEUMAS)
۶۔ قویٰ (FACULTIES)
۷۔ افعال (FUNCTIONS)

ان ساتوں امور کو طبیعت کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ جس چیز کے اندر طبیعت ہوتی ہے اس کے لیے یہ امور مادہ ہیں یا صورت جیسا کہ ارکان، اخلاط، اعضاء

اور بدن کے لیے مادہ اور قویٰ اس کے لیے صورت و ہیئت ہیں۔ افعال کو ان امور کے ساتھ اس لیے ملا دیا گیا ہے کہ قویٰ اور افعال کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے یا اس لیے کہ افعال جسم کی غرض و غایت ہیں[1]

دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدن انسان کا وجود انہی سات امور پر قائم ہے اگر ان میں سے ایک بھی معدوم ہو جاتے تو بدن کا معدوم ہونا لازمی ہے کیونکہ ان کے معدوم ہونے سے طبیعت کا معدوم ہونا ناگزیر ہے جس پر انسانی حرکت و سکون کا مدار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امور طبیعیہ کے اندر وہ سب چیزیں آجاتی ہیں جن سے بدن انسان مرکب ہے ان کے علاوہ بدن کے اندر کوئی اور چیز نہیں مل سکتی ہے۔ اُمور طبیعیہ کا علم حاصل کر کے دراصل اجمالاً پورے بدن کے احوال کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

---

[1] یہ علامہ برہان الدین نفیس کی تشریح ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"لانها اما مادة لما هي فيه وهي الاركان والاخلاط والاعضاء والارواح واما صورة له وهي المزاج والقوىٰ والحقوا الافعال بها التعلق الشديد بينها [illegible] القوىٰ او لانها غاية له"

نفیس مع حاشیہ مولانا عبدالحلیم ص[illegible]

عناصر (اُسطقسات)

مغربی طب میں بدن انسان کا مطالعہ خلیہ (CELL) سے شروع ہوتا ہے لیکن طب یونانی میں اس کا آغاز خلیہ کے بجائے عناصر سے ہوتا ہے کیونکہ خلیہ بھی عناصر ہی سے مرکب ہوتا ہے اس لیے خلیہ سے پہلے عناصر کا مطالعہ ضروری ہے۔ عناصر کے مطالعہ کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اخلاط، مزاج، ارواح، قویٰ، اعضاء اور افعال سب کا انحصار عناصر پر ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو ان کا تصور بھی محال ہے اسی لیے امور طبیعیہ میں عناصر (اسطقسات) کا ذکر پہلے کیا جاتا ہے۔

لغوی معنی | طب یونانی میں ELEMENTS کے مرادف کے طور پر تین لفظ مستعمل ہیں: اُسطقس یا اُسطقسات، ارکان، عناصر۔ اُسطقس[1] رومی لغت کا لفظ ہے جس کے معنی شے کی اصل (جڑ) یا اس کے مادے کے ہیں۔ اس کی جمع اُسطقسات آتی ہے[2]۔ ارکان رکن کی جمع ہے اس کے معنی کسی مرکب کے اجزائے اوّلیہ کے ہیں[3]۔ عناصر عنصر کی جمع ہے اس کے معنی بنیاد، جڑ اور اصل کے ہیں[4]۔

متقدمین عربی اطباء مثلاً ابوسہل مسیحی (متوفی ۴۰۱ھ/۱۰۱۰ء) علی ابن عباس مجوسی (متوفی ۹۹۴ء) وغیرہ نے اپنی تحریروں میں اُسطقس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ابن سینا

---

[1] اطباء متقدمین اُسطقس سے وہ بنیادی اجزاء (اجزائے اوّلیہ) مراد لیتے تھے جس کے اور جز نہ ہو سکیں۔ یہی بنیادی اجزاء اشیاء کائنات کی تشکیل کے ذمہ دار ہیں۔

[2] محمد بن یوسف الہروی، بحرالجواہر ص۵

[3] بحرالجواہر ص۱۳

[4] ایضاً ص۱۹۹

نے ارکان کے لفظ کو ترجیح دی ہے، دورِ آخر کے اطباء نے عناصر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اب بھی لفظ عام طور پر مستعمل ہے۔

مذکورہ تینوں لفظ مرادف المعنی ہیں۔ جب یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس سے مراد وہ اجزاء اوّلیہ ہوتے ہیں جو کسی مرکب کی ترکیب میں شامل ہوتے ہیں خواہ وہ مرکب عضوی (ORGANIC) ہو یا غیر عضوی (INORGANIC)

اصطلاحی معنی

جب عناصر کا لفظ اصطلاحاً بولا جاتا ہے تو اس سے وہ جسم بسیط مراد ہوتا ہے جس کی تقسیم مختلف اجزاء میں نہ ہو سکے یعنی جب اس کو تقسیم کیا جاتے تو اس کے منقسم اجزاء مختلف الصور اور مختلف الخواص نہ ہوں بلکہ یکساں خواص رکھتے ہوں۔

تعریف عناصر

علی ابن عباس مجوسی نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے[1]:

"فلاسفہ اُسطقس سے جسم مرکب کے بسیط ترین اجزاء جو مقدار میں نہایت کمتر ہوں، مراد لیتے ہیں۔ بسیط (SIMPLE) سے وہ جسم مراد ہے جس کا جوہر ایک قسم کا ہو اور جتنے اجزاء میں وہ منقسم ہو وہ سب متشابہ ہوں مختلف الاسم اور مختلف الماہیت نہ ہوں۔ اس کا نباتات کے بعض بسائط تو وہ ہیں جو فی الواقع بسیط ہیں یعنی تجربہ (تجزیہ و تحلیل) کے بعد بھی مختلف الماہیت ثابت نہیں ہو سکتے مثلاً آگ، ہوا، پانی اور مٹی[2] لیکن بعض اجسام ایسے بھی ہیں جو بظاہر بسیط معلوم ہوتے ہیں لیکن باعتبار ماہیت اجزاءِ مختلف سے مرکب ہیں جیسے پتھروں کے اقسام اور معدنی اشیاء جو اسطقسات چہارگانہ سے مرکب ہیں ... جتنے اجسام اس عالم کون و مکان میں ہیں وہ اسطقسات اربعہ یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی ہی سے مل کر بنے ہیں۔ اس لیے کہ یہی بسائط فلک قمر کے نیچے ایسے ہیں جن کے امتزاج سے نباتات پیدا ہوتی ہیں جو حیوان ذی روح کی غذا ہیں، غذا سے حیوان سے اخلاط پیدا ہوتے ہیں اور اخلاط سے اعضاء متشابہ الاجزاء، اعضاء متشابہ الاجزاء سے اعضاء آلیہ

---

[1] علی ابن عباس مجوسی، کامل الصناعۃ ج ۱ ص ۱۵

[2] لیکن اب یہ مرکب ثابت ہو چکے ہیں یعنی مختلف الماہیت

اور اعضاءِ آلیہ سے تمام بدن انسان بنتا ہے۔"

ابن سینا نے ارکان کی تعریف میں لکھا ہے[1]:

"ارکان وہ بسیط اجسام ہیں جو انسان کے اجزائے اوّلیہ ہیں اور یہ مختلف الصور اجسام میں تقسیم نہیں ہو سکتے ہیں اور انہی کے امتزاج سے کائنات کی مختلف النوع چیزیں بنی ہیں۔"

تعداد عناصر

یونان میں فلسفہ کے آغاز سے پہلے اجرام سماویہ یعنی سورج، چاند اور ستاروں کو دیوی دیوتاؤں (GODDESS AND GODS) کا درجہ حاصل تھا اور ان کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ خالق کائنات ہیں چنانچہ وہ قابل پرستش سمجھے جاتے تھے اور ان کی پوجا ہوتی تھی لیکن چھٹی صدی قبل مسیح میں جب یونان میں فلسفہ کا آغاز ہوا تو اس خیال سے اختلاف کیا گیا اور نیچر کا مطالعہ ایک دوسرے رُخ سے شروع ہوا۔ نتیجے کے طور پر اجرام سماویہ کی جگہ عناصر نے لے لی یعنی اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ تخلیق کائنات کا سبب دیوی دیوتاؤں کے بجائے عناصر ہیں۔ اجرام سماویہ بھی انہی کے ملنے سے بنے ہیں[2]۔

تخلیق کائنات کا سبب عناصر کو تسلیم کر لینے کے بعد اس امر میں یونانی حکماء میں اختلاف ہوا کہ وہ بنیادی عنصر یا عناصر (PRIMAL SUBSTANCES) کون ہیں جن سے اشیاء عالم بشمول انسان بنی ہیں؟

ایک عنصر کا نظریہ

اس سلسلے میں سب سے پہلے ایک عنصر کا نظریہ پیش کیا گیا یعنی عالم اجسام کی تخلیق بہت سے عناصر کے بجائے ایک ہی عنصر سے ہوئی ہے اور بقیہ عناصر اسی کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں[3]۔ اس

---

[1] القانون فی الطب ج ۱ ص ۳۶

[2] قدیم یونانی فلاسفہ نے عناصر کی جگہ کون سا لفظ استعمال کیا تھا اس کو نہیں باوجود کوشش کے معلوم نہ کر سکا۔ اُسطقس رومی زبان کا لفظ ہے جو یقیناً یونانی لفظ کا ترجمہ ہوگا۔ بہر حال لفظ جو بھی رہا ہو اس سے جیسا کہ بیان ہوا، فلاسفۂ یونان کی مراد کائنات کے اجزائے اوّلیہ تھے۔

[3] فلسفہ کی زبان میں یہ وحدۃ الوجودی نظریہ تھا۔

ایک عنصر کا نام کسی نے پانی، کسی نے مٹی، کسی نے ہوا اور کسی نے آگ رکھا۔ اس سلسلے میں مختلف حکماء یونان کے خیالات کو ہم یہاں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں

پانی

اس خیال کو کہ کائنات کی ہر شے پانی سے بنی ہے یونان کے فلسفی تھیلس[1] (THALES - 585 B.C.) نے پیش کیا[2]۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مصر گیا تھا اور وہیں سے پانی کے اصلی عنصر ہونے کے نظریے کو اس نے لیا۔ ان دنوں مصر میں یہ خیال عام تھا کہ مبدأ اوّلین (FIRST PRINCIPLE) پانی ہے۔ مصری پانی کو اس لیے اوّلین عنصر مانتے تھے کہ دریائے نیل کا پانی ان کے نزدیک بقائے حیات کا ذریعہ تھا۔ یہ نیل کا پانی ہی تھا جس سے غلہ پیدا ہوتا تھا اور اس کو جانور اور انسان دونوں کھاتے تھے اور اس پر ان کا گزر بسر تھا لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ مصر کے طبقۂ دانشوراں کا یہ خیال نہ تھا بلکہ یہ عام مصریوں کا خیال تھا جیسا کہ ولیم ڈریپر نے لکھا ہے[3]:

> "تھیلس کے اصول سے یہ نتیجہ صاف طور پر نکلتا ہے کہ وہ مصر ضرور گیا تھا لیکن وہاں کے سرچشمۂ علم تک رسائی حاصل نہ کر سکا بلکہ وہ صرف طبقۂ عوام

---

[1] عربی اور اردو میں اسے تالس یا طالیس ملطی کہتے ہیں (دیکھیں ابن ندیم، الفہرست ص ۵۰۵)

[2] طالیس ایشیائے کوچک (ASIA MINOR) کے تجارتی شہر ملیٹس (MELITUS) کا باشندہ تھا۔ یونانی فلسفہ کا آغاز اسی شخص سے ہوا اس لیے فادر آف فلاسفی کہا جاتا ہے۔ علم ہیئت اور جیومیٹری میں اسے مہارت حاصل تھی، اس کی پیشین گوئی کے مطابق ۵۸۵ قبل مسیح میں سورج گرہن ظاہر ہوا۔ اس کا شمار یونان کے سات ممتاز عقلاء میں ہوتا تھا۔ دیکھیں:

HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, BERTRAND RUSSELL, P 44

مزید دیکھیں: الفہرست ص ۵۰۵

[3] JOHN WILLIUM DRAPER, HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE, VOL.1, P.91.

ہی سے ربط قائم کرسکا اور انھیں سے یہ مقبول عام خیال اخذ کرلیا کہ پہلا عنصر پانی ہے۔[1]

طالیس نے جہاں یہ دیکھا کہ سمندر تاپیداکنار ہے وہاں یہ بھی دیکھا کہ نشوونما کے لیے رطوبت کس قدر ضروری ہے، خود انسانی جسم جیسا کچھ ہے وہ رطوبت کے بغیر دیسا نہ ہوتا بلکہ ایک ورق خشک کی طرح بکھر جاتا۔ اس سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اشیاء کی تخلیق صرف اسی عنصر سے ممکن ہے جس میں حرکت، رطوبت، سیلان (QUIDITY) اور برودت چاروں اوصاف پائے جائیں اور پانی ان تمام اوصاف کا جامع ہے اس لیے پانی ہی کو اصلی عنصر (ORIGINAL SUBSTANCE) قرار دیا جانا چاہیئے[2] دوسرے عناصر اسی سے بنے ہیں[3] یہ پانی ہی ہے جو کثافت (CONDENSATION) کے بعد مٹی بن گیا، اور خفت (RAREFACTION) کے بعد اس نے آگ کی صورت اختیار کرلی۔ قدیم ہندو فلاسفہ کا بھی یہی نظریہ تھا[4]

ارسطو کے بیان کے مطابق طالیس کا یہ بھی خیال تھا کہ زمین پانی کے اوپر لکڑی کے ایک تختے کی طرح تیر رہی ہے[5]

مٹی (خاک) بعض حکماء نے مٹی کو عنصر اصلی کی حیثیت سے پیش کیا اور اس کتب فکر کا ترجمان فریقدوس (PHREKIDES) تھا۔ اس

---

[1] A HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, MCINERNY RALPH M. VOL.I, P.18.

[2] ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی، برٹرنیڈرسل ص ۴۴

[3] وان اسپرانسن، جے، ڈبلو، دی پیریاڈک سسٹم آف کیمیکل ایلیمنٹس ص ۱۲

[4] ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی، برٹرنیڈرسل ص ۴۴، مزید دیکھیں:

NATURE AND THE GREEKS, ERWIN SCHRODINGER, P.58

[5] فلسفۂ یونان سے متعلق ہم نے بہت سی کتابوں کو دیکھا لیکن کسی ایک میں بھی اس فلسفی کا ذکر نہ ملا۔ حکیم عبداللطیف فلسفی نے اپنی کتاب "تجدید طب" (مجموعہ مضامین) میں اس فلسفی کا ذکر کیا ہے لیکن حوالہ انھوں نے بھی نہیں دیا ہے اور انھیں کی کتاب

(اگلے صفحہ پر)

کی دلیل یہ تھی کہ تمام مخلوقات زمین پر سکونت رکھتی ہیں اور اگر کسی بھی جسم طبعی کو کسی مصنوعی ذریعے سے زمین سے علیحدہ کر دیا جاتے تو اس ذریعہ کی قوت واثر کے زائل ہونے کے بعد وہ جسم دوبارہ اپنے طبعی مسکن (حیّز) یعنی زمین پر واپس آجاتا ہے۔

فلسفی اناکسیمنز (ANAXEMANES-494 B.C.) کا نظریہ یہ تھا کہ **ہوا** تخلیق عالم کا بنیادی مادہ (FUNDAMENTAL SUBSTANCE) ہوا ہے، اور ہر قسم کا مادہ، کثافت اور خفت (CONDENSATION AND RAREFACTION) کے عمل سے گزر کر جامد (SOLID) سیّال (FLUID) اور ہوائی حالت میں تبدیل ہو سکتا ہے۔[1]

گرمی (WARMTH) اور سردی (COLD) کثافت اور خفت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ہم ہونٹوں کو سکیڑ کر سانس لیتے ہیں تو ہوا ٹھنڈی معلوم ہوتی ہے اور جب منہ کو کھول کر سانس لیتے ہیں تو یہ گرم ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر اس میں زیادہ خفت پیدا ہو جاتے تو یہ آسانی سے آگ میں تبدیل ہو سکتی ہے گمان غالب یہ ہے کہ سورج اور ستارے اسی طرح وجود میں آتے ہوں گے۔[2] آگ، پانی اور مٹی اسی کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں۔ ہوا میں جب خفت پیدا ہوتی تو آگ بن گئی اور جب وہ کثیف ہوتی تو پانی بن گیا، مٹی اور پتھر اس کی انتہائی کثیف صورتیں ہیں۔[3]

اس نے مثال میں اولے (HAIL) اور برف (SNOW) کو پیش کیا اور ان میں فرق یہ بتایا کہ بادلوں سے جب بارش کے قطرے نیچے گرتے ہیں تو وہ منجمد ہو جاتے ہیں اور یہی اولے ہے۔ مرطوب بادل (MOIST CLOUDS) خود جامد صورت اختیار کر لیتے ہیں

پچھلے صفحہ کا بقیہ: سے ہم نے اس نظریہ کو نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں تحقیق کی ضرورت ہے۔ (مولف)

[1] NATURE AND GREEKS, P.59

[2] HSITORY OF INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE VOL.1, P.96

[3] HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.47

اور یہی برف ہے[1]

اس نے انسانی روح کے بارے میں بتایا کہ وہ ہوا کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور زندگی نفس کی آمد و شد (INHALING AND EXHALING) کا دوسرا نام ہے۔

جس طرح انسان کی روح جو فی الاصل ہوا ہی ہے، اس کے وجود کے قیام و بقا کی ذمہ دار ہے اسی طرح یہ ہوا کل عالم کو بھی محیط ہے اور عالم بھی سانس لیتا ہے[2]

اناکسیمنز ہوا کے لامحدود (INFINITE AIR) ہی کو خدا (god) سمجھتا تھا اور یہ بھی خیال کرتا تھا کہ دیوی دیوتا (goddess and god) اسی سے نکلے ہیں۔[3]

آگ ہرقلیطس[4] (HERACLITUS – 500 B.C.) کا خیال تھا کہ مبدأ اولین (FUNDAMENTAL PRINCIPLE) آگ[5] ہے۔ اس نے کہا کہ دنیا کو نہ تو دیوی دیوتاؤں نے بنایا ہے اور نہ کسی انسان نے، یہ ہمیشہ سے تھی، ہے اور اسی طرح آتش غیر فانی (EVER-LIVING FIRE) کی صورت میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس کے بعض حصے زندہ و تابندہ اور بعض حصے برابر فنا ہو رہے ہیں۔[6]

"FLARING UP IN PARTS AND, IN PARTS DYING DOWN"

---

1. NATURE AND THE GREEKS, P.60
2. HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.47
3. HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPNENT OF EUROPE, VOL.I, P.95
4. یہ افیسس (EPHESUS) کا باشندہ اور مشہور یونانی فلسفی زینوفن کا ہم عصر تھا۔
5. ہرقلیطس نے وضاحت کر دی ہے کہ آگ سے اس کی مراد شعلہ (FLAME) نہیں بلکہ گرم و خشک (DRY AND WARM) ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:
HISTORY OF INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE, Vol.1, P.112
6. NATURE AND THE GREEKS P.70, AND HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P. 62.

ہرقلیطس نے جس بنیاد پر آگ کو مبدأ اوّلین قرار دیا وہ یہ خیال تھا کہ ہر چیز آگ میں اور آگ ہر چیز میں تبدیل ہو سکتی ہے[1] (ALL IS CONVERTABLE INTO FIRE AND FIRE INTO ALL)

ہرقلیطس کا دوسرا اہم نظریہ یہ تھا کہ کائنات کی کوئی شے ایک حالت میں نہیں رہتی بلکہ برابر بدلتی رہتی ہے (EVERY THING IS IN A STATE OF FLUX) اس سلسلے میں اس نے جو فقرے استعمال کیے ہیں وہ بڑے معنی خیز ہیں: اس نے کہا کہ تمام چیزیں ہیں بھی اور نہیں بھی (ALL IS AND ALL IS NOT) "ہم بدل رہے ہیں بلکہ بدل چکے ہیں۔" (WE ARE CHANGING BUT HAVE CHANGED) "کوئی شخص ایک ہی دریا میں دوبار داخل نہیں ہوتا کیونکہ جس پانی میں وہ پہلی بار داخل ہوا تھا وہ دوسرے لمحہ بدل گیا۔" (YOU CAN NOT STEP TWICE INTO THE SAME RIVER FOR FRESH WATERS ARE EVER FLOWING IN UPON YOU)[2]

ہرقلیطس نے حرکت و تغیر کے اس قانون کا اطلاق مبدأ اوّل (آگ) پر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ مسلسل حرکت کی حالت میں ہے جس سے چیزیں بنتی ہیں اور پھر اسی میں جذب ہو جاتی ہیں۔ اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ پانی، ہوا اور مٹی مبدأ اوّل کی

---

[1] HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE Vol.1, P.112.

ہرقلیطس کا مذکورہ خیال موجودہ فزکس کے نظریے سے بڑی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔ آئن سٹائن کے نظریہ مقادیر (QUANTUM THEORY) کے مطابق مادہ انرجی میں اور انرجی مادہ میں تبدیل ہو سکتی ہے گویا یہ دونوں دو چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے دیکھیں: تھیوریز اینڈ فلاسفیز آف میڈیسن ص ۱۵

[2] HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE, VOL.1, P.112

[3] HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.63

شیت نہیں رکھتے بلکہ آگ ہی کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں، جیسے جیسے آگ کی حرارت کم ہوتی جاتی ہے اس میں کثافت بڑھتی جاتی ہے اور درجہ بدرجہ ہوا اور پانی بن جاتے ہیں۔ مٹی، آگ کی انتہائی کثافت کا نام ہے[1]

ہرقلیطس کا تیسرا اہم نظریہ اختلاط اضداد (MINGLING OF OPPOSITES) ہے یعنی اضداد میں ہمیشہ نزاعی حالت قائم رہتی ہے۔ اس حالت نزاع میں جب وہ ہم ملتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کی قوت کو توڑتا ہے لیکن کسی ایک کو اس لڑائی میں کامل برتری حاصل نہیں ہوتی اور بالآخر ان کے درمیان ہم آہنگی اور مطابقت (HARMONY) پیدا ہو جاتی ہے[2] دنیا میں وحدت ہے لیکن یہ وحدت، اختلاف تنوع (DIVERSITY) کی شکل میں ظاہر ہے۔ اگر اضداد باہم نہ ملیں تو دنیا میں

---

[1] ابن سینا نے اپنی کتاب "شفا" کے حصہ طبیعیات میں لکھا ہے:

"اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آگ کو کثیر الجوہر سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں زمین پانی اور ہوا کو قلیل الجوہر، چنانچہ شفاف آسمان اور روشن ستارے سب ان کے نزدیک ناری ہیں اور اسی بنا پر حکم لگاتے ہیں کہ جس جرم کی مقدار زیادہ ہو اسی کو عنصر اصلی ہونا چاہیئے اور کوئی جسم آگ سے زیادہ خالص اور غیر آمیز نہیں ہے۔ اور حرارت ہی مدبر کائنات ہے، ہوا کیا ہے؟ آگ ہی ہے جو اجزات کی سردی سے نیم گرم ہوگئی ہے، اور بخار کیا ہے، پانی ہے تحلیل شدہ، اور پانی کیا ہے؟ کثیف آگ اور کثیف ہوا۔

اگر برودت کے لیے کوئی عنصر ہوتا اور برودت ایک عارضی حالت نہ ہوتی جو عنصر واحد کو عارض ہوتی ہے تو عناصر میں ایک عنصر ایسا بھی ہوتا جس کی برودت آگ کی شدت حرارت کے برابر ہوتی۔"

(کتاب الشفاء بحوالہ امتحان الالبا۔ لکافۃ الاطباء۔ عبدالعزیز متطبب اردو ترجمہ مسمٰی بہ بدر الدجیٰ حکیم محمد بدر الدین خاں دہلوی ص 199)

[2] اطبائے یونان نے کیفیات اربعہ اور ان میں فعل و انفعال کا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ اس سے بہت کچھ ملتا جلتا بلکہ ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

کسی شے کا وجود نہ ہو[1]

دو عناصر کا نظریہ

ایک عنصر کے نظریہ کے بعد بعض حکماء یونان نے اس خیال کا اظہار کیا کہ تخلیق عالم ایک عنصر کے بجائے دو عنصروں سے ہوتی ہے[2] لیکن اس میں اختلاف ہوا کہ وہ دو اولین عناصر (TWO FIRST PRINCIPLES) کون ہیں؟ بعض نے پانی اور مٹی کو اور بعض نے آگ اور مٹی کو مبداء اول قرار دیا۔

پانی اور مٹی

حکماء یونان کے ایک گروہ نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اصلی عناصر جو کائنات کے مبداء اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں، پانی اور مٹی ہیں[3] انھوں نے دلیل یہ دی کہ اشیاء کو وجود میں لانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک جسم رطب جو شکلوں کو قبول کر سکے اور وہ پانی ہے، دوسرا جسم یابس جو اشکال کو قائم رکھ سکے اور یہ صفت مٹی میں ہے، ہوا ایک قسم کا بخار ہے جو پانی سے پیدا ہوتا ہے اور ہوا میں جب حرکات شدیدہ کی وجہ سے گرمی پیدا ہوتی ہے تو آگ بن جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ابن سینا نے لکھا ہے[4]:

"تم دیکھتے ہو کہ تمام مرکبات اپنی ترکیب میں تر و خشک کے محتاج ہیں اس لیے کہ کوئی جسم ان دو کے بغیر نہیں بن سکتا ہے۔ ہر جسم کو تری کی اس لیے ضرورت ہے کہ بناوٹ کو قبول کر سکے اور خشکی کی ضرورت اس لیے ہے تاکہ بناوٹ محفوظ رہ سکے۔ تری جس طرح آسانی کے ساتھ ہر قسم کی بناوٹ کو قبول کر لیتی ہے اسی طرح آسانی کے ساتھ اس کو چھوڑ بھی دیتی ہے۔ اور خشکی جس طرح مشکل سے کوئی صورت قبول کرتی ہے

---

[1] HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.63

[2] فلسفہ کی اصطلاح میں یہ ثنویت (PLURALISM) کا آغاز تھا۔

[3] زینوفن (XENOPHANES) فلسفی کا بھی خیال تھا، دیکھیں: HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.58

[4] امتحان الالباء بحوالہ [illegible] ص ۲۰۳

اسی طرح خشکی سے اس کو جھوڑتی ہے چنانچہ جب تری کو خشکی کے ساتھ مخلوط کرتے ہیں تو رطوبت کی وجہ سے مرکب آسانی کے ساتھ بن جاتا ہے اور خشکی کے سبب سے وہ بگڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ جو اشیا بھی خشک و تر دیکھنے میں آتی ہیں وہ خاک اور پانی ہی ہیں جب ان کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں تو ہر شے کا مادہ انہی دو (پانی اور خاک) کو ماننا ہوگا[1]

آگ اور مٹی

حکماء کے ایک دوسرے گروہ نے آگ اور مٹی کو مبدأ اولین کی حیثیت سے پیش کیا اور دلیل یہ دی کہ تمام مرکبات اور اجسام آخر الامر انہی دو عناصر کی طرف منقلب ہو جاتے ہیں۔ یہ دونوں عناصر انتہائی خفت اور انتہائی ثقل رکھتے ہیں اور بقیہ دو عناصر (ہوا اور پانی) خفت و ثقل کے اس انتہائی درجہ سے محروم ہیں اس لیے عناصر اصلی صرف آگ اور مٹی ہو سکتے ہیں[2] اس سلسلے میں ابن سینا نے لکھا ہے[3]:

" تمام اُسطقسات آخر الامر انہی دو عناصر کی طرف مستحیل ہوتے ہیں اور یہ دونوں کسی اور کی طرف جو ان کے علاوہ ہیں مستحیل نہیں ہوتے۔ تمام چیزیں ان ہی دو میں حل ہوتی ہیں یہ خود کسی دوسری چیز میں حل

---

[1] بعض اہل علم نے اس نظریے کو انکسیمنڈر کی طرف منسوب کیا ہے (کلیات عصری از سید اشتیاق احمد مطبوعہ ۱۹۸۳ء ص۹) لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ انکسیمنڈر، طالیس کا ہم وطن اور غالباً اس کا شاگرد بھی تھا۔ اس نے فطرت پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے مبدأ اول پانی کے بجائے جیسا کہ اس کے استاد کا خیال تھا لا محدود فضا کو قرار دیا ہے کہ اسی فضا سے زمین کو بارآور کرنے کے لیے پانی اترتا ہے۔ یہ لا محدود اور غیر متمیز مادہ (UNDIFFERENTIATED MATTER) تمام سماوات و عوالم کی جن کو یہ محیط ہے' ماں ہے اور اسی سے تمام موجودات علیحدہ ہو کر وجود میں آتے ہیں (ہسٹری آف فلاسفی' الفریڈ ویبر' مترجم خلیفہ عبد الحکیم ص۱۲)

[2] حکیم عبد اللطیف فلسفی نے اس نظریے کو کرکنافس کی طرف منسوب کیا ہے (تجدید طب ص۱۲) لیکن تاریخ فلسفۂ یونان کی کسی کتاب میں مجھے اس نام کے کسی فلسفی کا ذکر نہیں ملا۔

[3] استحالة الالهام لكافة الاطباء بحواله ... ج ۲ ص ۲۰۰

نہیں ہوتے اس لیے یہی دو اصل مادے ہیں۔ یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ ان میں خفت و ثقل، ہوا اور پانی کے مقابلے میں زیادہ ہے، مزید براں ان ہی دو میں حرکت اسطقسی بھی زیادہ ہے کسی اور چیز میں ان سے زیادہ یہ حرکت نہیں پائی جاتی۔ ہوا در اصل منجمد آگ اور پانی پگھلی ہوئی خاک ہے جو جاری ہے اور اس میں آگ کی آمیزش کی وجہ سے یہ خاک سے ہلکی ہوتی ہے۔"

عناصر ثلاثہ کا نظریہ

دو عناصر کے بعد تین عناصر کا نظریہ پیش کیا گیا۔ اس نظریے کو جس فلسفی نے پیش کیا اس کا نام پرفیریس (PERPHYREUS b.333 B.C.) تھا۔ مظاہر فطرت کے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ تمام اجسام (MATTER) یا دوسرے لفظوں میں تمام عناصر تین ہی شکلوں میں پائے جاتے ہیں یعنی جامد، سیال اور ہوائی اس لیے عناصر اصلی تین ہی ہیں۔ اس نظریے کے قائلین اہل اکسیر کہلاتے ہیں۔ ان کی اپنی اصطلاح میں جامد عناصر کو ملح، سیال عناصر کو زیبق (پارہ) اور ہوائی عناصر کو کبریت (گندھک) کہتے ہیں۔

عناصر اربعہ کا نظریہ

اس نظریے کو جس فلسفی نے پیش کیا وہ ابند قلیس[1] (EMPEDOCYLES - 440 B.C.) تھا۔ اس

---

[1] یہ سسلی کے جنوبی ساحل پر واقع شہر اکراگاس (ACRAGAS) کا باشندہ تھا۔ اس کا تعلق ایلیاٹی اسکول سے تھا اور اس کا آخری فلسفی تھا۔ مشرق میں اس نے طب اور جادو کی تعلیم حاصل کی (ولیم ڈریپر، ہسٹری آف دی انٹلکچول ڈیولپمنٹ آف یورپ، ج ۱ ص۱۴۹)

وہ جادو یا اپنی سائنسی معلومات کے ذریعہ ہوا پر کنٹرول رکھتا تھا۔ اس نے ایک ایسی عورت کو زندہ کر دیا جو ۳۰ دن پہلے مر چکی تھی۔ اس کو خدائی کا بھی دعویٰ تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مرا نہیں بلکہ آسمان کی طرف صعود کر گیا ہے (ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی، برٹرینڈ رسل ص ۷۴)

[illegible]

نے ایک، دو اور تین عناصر کے نظریے کو رد کرکے اس کی جگہ چار عناصر کا تصور پیش کیا (اگرچہ اس نے عنصر کا لفظ استعمال نہیں کیا)، اس نے کہا کہ عناصر غیر فانی ہیں اور انہی کے مختلف تناسب میں ملنے سے اشیائے عالم کا وجود ہوا[1]

چار عناصر کے ساتھ اس نے دو اور چیزوں کا اضافہ کیا، ایک محبت (LOVE) اور دوسری نفرت (STRIFE) محبت کے ذریعہ عناصر باہم ملتے ہیں اور نفرت کے ذریعہ متفرق ہو جاتے ہیں۔ اس نے مزید کہا کہ عالم میں دوری حرکت (CYCLE) ہے۔ جب عناصر محبت کے ذریعہ آپس میں خوب ممزوج ہو جاتے ہیں تو نفرت انھیں بتدریج الگ کرنا شروع کرتی ہے اور جب جدا کر دیتی ہے تو محبت دوبارہ انھیں رفتہ رفتہ مجتمع کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرکبات فانی ہیں، ہمیشہ باقی رہنے والی شے صرف عناصر اور محبت و نفرت ہیں[2] اسی لیے وہ عناصر کو چار ارباب (GODS) یا ازلی خدائی طاقتیں (DIVINE ETERNAL FORCE) قرار دیتا تھا[3]۔

پچھلے صفحہ کا بقیہ: ایک علاحدہ جز کی حیثیت سے دریافت کیا اور اس کا تجرباتی ثبوت بھی فراہم کیا چنانچہ اس نے دکھایا کہ اگر ڈکری کو پانی میں الٹا کر دیا جائے تو پانی اس میں داخل نہیں ہوتا۔ (برٹرینڈ رسل ص ۷۳)

اس نے طب کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس نے افلاطون اور ارسطو دونوں کو متاثر کیا (برٹرینڈ رسل ص ۷۳)

کہا جاتا ہے کہ یہ فلسفی حضرت داؤد علیہ السلام کا ہمعصر تھا اور شام میں اس نے لقمان حکیم سے حکمت سیکھی۔ (دیکھیں طبقات الامم، قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد اندلسی (متوفی ۴۶۲ھ) مترجم قاضی احمد میاں اختر ص۲۳) ابندقلیس کے فلسفیانہ نظریات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ شہرستانی ج ۱ ص ۱۹۲

[1] HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.74

[2] ایضاً ص۷۳

[3] HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE, Vol.1, P.119.

اطباء نے جن وجوہ سے چار عناصر کے نظریے کو قبول کیا اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن سینا نے لکھا ہے [1]:

"جب دیکھنے والا ہر روئیدگی اور ہر جاندار کو جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں زمین اور پانی اور ہوا سے طالب مدد پاتا ہے تو اس وقت چاروں عناصر کا باہم گر شریک ہونا اس کے خیال میں آتا ہے کیونکہ جب آگ جسم رطب کو پکاتی ہے تب اس کی ترکیب تمام ہوتی ہے۔ مٹی (ارض) اس کی ساخت کو قائم رکھتی ہے اور پانی ترکیب و تخلیق کے عمل میں معاونت کرتا ہے اور مٹی کے مخلوط ہونے کی وجہ سے سیلان سے باز رہتا ہے۔ زمین (مٹی) پانی اور ہوا کی آمیزش کے سبب دونوں سے مدد پاتی ہے اور آگ دونوں کی صرفیت کو توڑتی ہے اور بقدر ضرورت چھوڑتی بھی ہے اور اس طرح ان میں اعتدال پیدا کرتی ہے اور ہوا مرکب مرکب کو تخلخل کر کے منافذ اور مسامات بناتی ہے اور آگ ان کو پکاتی اور جماتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہر ایک عنصر دوسرے کا محتاج ہے۔"

عناصر اربعہ اور ارسطو

ارسطو [2] نے لکھا ہے کہ زیر قمر تمام چیزیں چار عناصر سے مل کر بنی ہیں یعنی مٹی، پانی، ہوا اور آگ اور پانچواں [3] عنصر بھی ہے جس سے اجرام سماویہ بنے ہیں۔ عناصر اربعہ کی گردش مستقیم (RECTILINEAR) ہے لیکن پانچواں عنصر دائرے میں گردش

---

[1] امتحان الالباء۔ کارفرۃ الاطباء بحوالہ بدیع الدین ص ۲۰۳

[2] ارسطو ۳۸۴ ق م میں تھریس کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کا باپ شہنشاہ مقدونیہ (MACEDONIA) کا طبیب تھا۔ تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ایتھنز آیا اور افلاطون کی شاگردی اختیار کی اور اس کی وفات (۳۴۸۔ ۳۴۷ ق م) تک یعنی تقریباً ۱۸ سال اس کی قائم کردہ اکادمی میں اس سے کسب فیض کیا۔ ۳۴۳ ق م میں وہ اسکندر اعظم کا جس کی عمر اس وقت ۱۳ سال تھی اتالیق مقرر ہوا اور اس کی وفات (۳۲۳ ق م) تک ایتھنز میں مقیم رہا اور اسی دوران (۳۳۵۔۳۲۳ ق م) میں اس نے اپنا اسکول قائم کیا اور بیشتر کتابیں بھی لکھیں۔

[3] اس کا نام QUINTA ESSENTIA ہے۔

کرتا ہے، خاکی عناصر ازلی (ETERNAL) نہیں بلکہ ایک دوسرے سے پیدا ہوتے رہتے ہیں، آگ مطلق خفیف ہے اس لیے کہ اس کی حرکت اوپر کی طرف ہے، زمین مطلق کثیف (HEAVY) ہے، ہوا نسبتاً ہلکی اور پانی نسبتاً بھاری ہے۔[1]

عناصر کے ساتھ کیفیات اربعہ (گرم و سرد، تر و خشک) کے تصور کو سب سے پہلے ارسطو ہی نے پیش کیا اور بتایا کہ مٹی سرد و خشک، پانی سرد و تر، ہوا گرم و تر اور آگ گرم و خشک ہے۔[2]

عناصر خمسہ کا نظریہ یونانی فلاسفہ امپیڈوکلیز اور ارسطو کے نظریۂ عناصر اربعہ کی جگہ ہندو فلاسفہ نے عناصر خمسہ کا نظریہ پیش کیا جو ان کی اصطلاح میں پنج مہا بھوتا (PANJ MAHA BHUTAS) کہلاتا ہے۔[3] پانچ مہا بھوتا یہ ہیں: (۱) پرتھوی (PRṬHVI) (۲) اپ (AP) (۳) تیجا (TEJĀS) (۴) وایو (VĀYU) (۵) آکاش (ĀKĀṢA)[4]

---

[1] برٹرینڈرسل، ہسٹری آف ویسٹرن فلوسفی ص ۲۲۹ تا ۲۳۰

[2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، مائکروپیڈیا، پندرھواں ایڈیشن ج ۳ ص ۸۴۶

[3] قدیم ہندو فلاسفہ جن کا عہد دوسری صدی قبل مسیح ہے اور جن کو چرواک فلسفی کہا جاتا ہے، عناصر اربعہ کے قائل تھے (دی ہیرپاڈک سسٹم آف کیمیکل ایلیمنٹس ص ۱۲)

[4] آیورویدک نظریہ کے مطابق انہی پانچ عناصر سے جسم انسان اور کائنات کی دوسری چیزیں مرکب ہیں جن میں دوائیں بھی شامل ہیں۔ پنج مہا بھوتا جسم انسان کی ترکیب میں تین حیثیتوں میں شریک ہے (۱) دوشا (DOṢĀS) (۲) دھاتو (DHATUS) (۳) ملس (MALAS) دوشا جسے یونانی میں خلط کہتے ہیں، تعداد میں تین ہیں: (۱) وایو (اس میں عنصر وایو اور آکاش غالب ہوتے ہیں) (۲) پتا (تیجا یعنی آگ کا عنصر اس میں شریک غالب ہے) (۳) کفا (KAPHA) (اس میں عنصر پرتھوی اور اپ یعنی پانی غالب ہوتے ہیں)۔

دھاتو تعداد میں سات ہوتے ہیں جن کے نام یہ ہیں: RASA، RAKTA، MĀMSA، MEDAS، ASTHI، MAJJĀ

بقیہ: (اگلے صفحہ پر)

عناصر خمسہ کا نظریہ ان کے مذہبی فلسفہ سے جڑا ہوا ہے۔ اس فلسفہ کے مطابق ایشور میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں، ایک آتما (روح) اور دوسری پرکرتی[1] (PRAKRTI) ۔ اسی پرکرتی میں جب بقدر نقطہ کثافت پیدا ہوتی ہے تو انو (اجزائے لایتجزی) بنتا ہے اور جب کثرت سے انو پیدا ہو جاتے ہیں تو ان سے آکاش بنتا ہے۔ اگرچہ یہ پرکرتی کے اعتبار سے کثیف ہوتا ہے لیکن دوسرے عناصر کے مقابلہ میں انتہائی لطیف ہوتا ہے اس لیے ہماری قوت لامسہ و باصرہ ان کے ادراک سے قاصر رہتی ہے۔ آکاش تمام عالم میں سرایت کیے ہوتے ہے۔ اسی آکاش میں جب مزید کثافت پیدا ہو جاتی ہے تو ہوا بنتی ہے جس کو ہماری قوت باصرہ دیکھنے سے عاجز رہتی ہے لیکن قوت لامسہ اسے محسوس کر سکتی ہے اسی طرح تدریجاً اور کثافت بڑھتی ہے اور پانی بن جاتا ہے جسے ہم دیکھ بھی سکتے ہیں اور چھو بھی سکتے ہیں اور جب یہی کثافت انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو مٹی کا وجود ہوتا ہے جو اجسام کا عنصر غالب ہے۔ ایک دن یہ عناصر پھر آکاش میں جذب ہو جائیں گے۔

ہندی حکمائے نے انسانی جسم کے مختلف اعضاء اور ان کے افعال کو مذکورہ پانچ عناصر کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ درج ذیل جدول سے واضح ہے۔

پچھلے صفحہ کا بقیہ:

SIKRA ، BAJAS (یہ سات دھاتو پنج مہا بھوت سے مرکب ہوتے ہیں۔ ملس (MALAS) میں پاخانہ، پیشاب اور پسینہ جیسی رطوبات غیر محمودہ شامل ہیں۔

ان تینوں چیزوں میں (دوشا) جب عدم توازن پیدا ہوتا ہے تو جسم کو مختلف بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔

[1] پرکرتی کے معنی ابتدائی مادہ (PRIMORDIAL STUFF) کے ہیں جو غیر متمیز تھا اور نہ جس کا کوئی آغاز ہے اور نہ اختتام، جو غیر فانی اور غیر محدود بھی ہے (ہندو فلسفہ کے مطابق) : میٹریا میڈیکا آف ایورویدا از بھگوان داس۔

عناصر مہابھوتا	خواص	طبعی خصوصیات	متعلقہ آلات حس	افعال	نفسانی خصوصیات
آکاش (ایتھر)	شبد (صوت)	عدم مزاحمت و خلا	کان	تخلخل، امتیاز	پاکی
وایو (ہوا)	اسپرش (لمس)	حرکت	جلد	لطافت، ہلکاپن، فعلیت	غیظ و غضب
تیجا (آگ)	روپ (نور)	حرارت	آنکھ	رنگ، ہضم، حدت، جرأت، تابناکی	پاکی
اپ (پانی)	رس (ذائقہ)	رطوبت	زبان	کثافت، برودت، دہنیت، تولید منی	کاہلی
پرتھوی (مٹی)	گندھ (بو)	خشونت	ناک	یبوست، کثافت	کاہلی

لامحدود عناصر کا نظریہ :- اس نظریے کو جس فلسفی نے پیش کیا اس کا نام انکساگورس[1] (ANAXAGORAS–500 B.C)

---

[1] یہ آیونیا (IONIA) میں تقریباً ۵۰۰ قبل مسیح پیدا ہوا لیکن اس نے اپنی عمر کے تیس سال ایتھنز میں گزارے غالباً ۴۶۲ سے ۴۳۲ ق م تک۔ یہ ایکسیمنز اسکول سے تعلق رکھتا تھا۔

یہ پہلا فلسفی ہے جس نے ایتھنز والوں میں فلسفہ کی اشاعت کی، اور اس اعتبار سے بھی اسے اولیت حاصل ہے کہ اس نے سب سے پہلے دماغ (MIND) کو تمام اجسام طبعی میں ہونے والے تغیرات کا سبب قرار دیا۔

اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ سورج کو ایک سرخ پتھر اور چاند کو مثل زمین کے سمجھتا ہے یہ خیال ایتھنز والوں کے دیوتاؤں کے وجود سے انکار کے ہم معنی تھا اس لیے اسے قید کر دیا گیا لیکن وہ پیرا کلیز (PERICLE) کی مدد سے جو اس کا دوست تھا اور ایتھنز کا حاکم بھی، زنداں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ آیونیا پہنچ کر اس نے (اگلے صفحہ پر)

تھا۔ اس نے کہا کہ ایک جوہر کا دوسرے جوہر میں تبدیل ہونا ناقابل تصور ہے لہٰذا عناصر کی تعداد کو چار تک جیسا کہ امپڈوکلیز کا خیال تھا، محدود نہیں کیا جا سکتا ہے فی الواقع عناصر کی تعداد لامتناہی ہے۔ یہ جسامت کے اعتبار سے بے انتہا چھوٹے، غیر مخلوق، غیر فانی اور باعتبار جوہر ناقابل تبدل ہیں۔ یہ نہ کیفیت میں بدل سکتے ہیں اور نہ کمیت میں۔

تخلیق اشیاء کے متعلق اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہر چیز غیر محدود طور پر قابل تقسیم ہے اور یہ کہ مادہ کا چھوٹے سے چھوٹا جز بھی ہر ایک عنصر کا کچھ حصہ ضرور رکھتا ہے۔ جب ایک عنصر زیادہ مقدار میں جمع ہو جاتا ہے تو وہ اسی نام سے موسوم ہوتا ہے مثلاً ہر چیز میں آگ کچھ نہ کچھ ضرور ہوتی ہے لیکن جب یہ عنصر باعتبار مقدار غالب آ جاتا ہے تب ہم اسے آگ کہتے ہیں۔[1]

اس نظریے کے مطابق کوئی شے نہ عدم سے وجود میں آتی ہے اور نہ وجود سے عدم میں جاتی ہے، زندگی اور موت کے تصورات بالکل اضافی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو عناصر پہلے سے موجود ہیں انہی کے اجتماع سے اشیاء کی تخلیق ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور انھیں کے انتشار و افتراق سے وہ معدوم ہو جاتی ہیں مگر عناصر کی اپنی زندگی بدستور قائم رہتی ہے اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ عناصر کے اتصال کا نام زندگی اور ان کے انفصال کا نام موت ہے۔ اسی خیال کو اردو کے مشہور شاعر چکبست نے اس طرح ادا کیا ہے:

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انھی اجزا کا پریشاں ہونا

اس نے متقدمین کے اس خیال سے اختلاف کیا کہ دماغ بھی ایک قسم کا مادہ

پچھلے صفحہ کا بقیہ:
وہاں ایک اسکول کی بنیاد ڈالی جو اس کے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنا۔
(ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی، برٹرینڈ رسل ص ۸۱)

[1] ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی ص ۸۱

ہے جو زندہ اشیاء کی تخلیق میں شریک ہے اور انھیں بے جان مادے سے ممتاز کرتا ہے اس نے بتایا کہ ہر چیز میں ہر چیز کا ایک حصہ موجود ہے بجز دماغ کے۔ دماغ ان تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے جو زندگی رکھتی ہیں۔ یہ لا محدود ہے اور اس پر اس کے سوا کسی اور کی حکومت نہیں ہے (SELF-RULED) وہ کسی چیز کے ساتھ شریک نہیں ہے بلکہ سب سے الگ ہے۔ دماغ کے سوا ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو، تمام اضداد (OPPOSITES) مثلاً گرم و سرد، سفید و سیاہ کا کچھ حصہ ضرور رکھتی ہے۔ اس نے کہا کہ برف (SNOW) جزوی طور پر سیاہ ہے[۱]

اس دنیا میں حرکت و عمل کا جو ایک پیچیدہ نظام چل رہا ہے وہ بذات خود عناصر کا اپنا ذاتی فعل نہیں ہے کیونکہ عناصر کی فطرت میں حرکت و عمل کی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ ان میں یہ صلاحیت جس عنصر نے پیدا کی وہ جوہر عقل ہے۔ وہی تمام حرکات کا ذریعہ ہے۔ اس دنیا میں حرکت و زندگی کے جو متنوع مظاہر نظر آتے ہیں وہ اسی کے دم سے ہیں۔ انکساگورس نے جوہر عقل کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے[۲]:

"یہ عنصر بسیط اور یکساں ہے، دوسرے جوہروں سے ملا ہوا نہیں بلکہ ان سے ممیز، بالکل ایک علیحدہ چیز ہے۔ دوسرے عناصر میں محض انفعال ہے مگر جوہر عقل یا نفس ذاتی فعلیت رکھتا ہے، بالکل آزاد ہے اور دنیا میں تمام حرکت اور زندگی اسی سے ہے، اور دنیٰ عناصر میں شعور نہیں لیکن اس کو ماضی، حال اور مستقبل سب کا علم ہے، اسی نے ایک مقصد سے تمام اشیاء کی تخلیق کی ہے، یہی کائنات کا سرمدی فرماں روا ہے، دوسرے تمام عناصر مل کر بھی اس جیسی طاقت نہیں رکھتے۔"

آغاز عالم پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے[۳]:

---

[۱] HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.81

[۲] تاریخ فلاسفہ، الفرڈ ویبر (اردو ترجمہ) ص ۳۸

[۳] ایضاً ص ۳۸

"ابتدا میں تمام بے حرکت اور بے عقل عناصر گڈمڈ تھے۔ اس ابتدائی ہیولیٰ میں ہر ایک شے دوسری شے میں موجود تھی، سونا، چاندی، ہوا، پتھر تمام چیزیں جو اب ایک دوسرے سے علٰحدہ ہیں، ایک غیر معیّن، غیر مشخص اور بے حرکت ڈھیر کی صورت میں موجود تھیں، صرف جوہرِ عقل علٰحدہ زندہ تھا۔ اس نے ہیولیٰ میں داخل ہو کر اس کو سلجھایا اور اس سے ایک منظم کائنات وجود میں آئی۔ جوہرِ عقل سے ہیولیٰ کا جو نقطہ پہلے پہل متحرک ہوا اس سے ایک گردشی حرکت رفتہ رفتہ اس کے تمام حصوں میں پھیل گئی جیسا کہ آسمان کی گردش سے ثابت ہے۔ یہ حرکت ابھی تک جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک اجزاء ہیولیٰ بالکل علٰحدہ نہ ہو جائیں۔"

ذرّات کا نظریہ: اس نظریے کو دمقراطیس[1] (DEMOCRITUS 420 B.C.) نے پیش کیا، اس نے بتایا کہ ہر چیز

---

[1] دمقراطیس تھریس (THRACE) میں ABDERA کا رہنے والا تھا۔ اس نے علم کی تلاش میں مشرقی اور جنوبی ملکوں کی سیاحت کی، مصر میں بھی کافی عرصہ تک رہا، ایران بھی گیا تھا، سقراط، انکساگورس اور مشہور سوفسطائی پروتاگوراس (PROTOGORAS) اس کے ہم عصر تھے، موخر الذکر اس کا ہم وطن بھی تھا۔

یہ ایک ملحد فلسفی تھا اور متشکک بھی۔ اس نے کہا کہ ایک طرف حواس (SENSATION) ہیں اور دوسری طرف تصور (REFLECTION)۔ حواس سے معلوم ہوتا ہے کہ چیزوں میں گرمی، سردی، تلخی اور شیرینی پائی جاتی ہے لیکن تصور کہتا ہے کہ یہ سب محض فریب ہے، صرف جوہر (ATOM) اور فضا (SPACE) کا وجود حقیقی ہے۔

دمقراط ہر وقت ہنستا رہتا تھا اس لیے فلسفیِ خنداں (LAUGHING PHILO-SOPHER) کی حیثیت سے مشہور تھا۔ اس کے عہد کے لوگ سمجھتے تھے کہ وہ پاگل ہو گیا ہے چنانچہ انھوں نے اس کے معاصر طبیب بقراط سے درخواست کی کہ وہ اس کے پاگل پن کا علاج کرے۔ جب بقراط نے اس سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ وہ پاگل نہیں ہے (اگلے صفحہ پر)

ذرات سے مل کر بنی ہے اور یہ ذرات (ATOMS) ناقابل تقسیم ہیں اور یہ کہ جوہر وں کے درمیان خلا ہے۔ یہ غیر فانی ہیں، ہمیشہ سے گردش میں ہیں اور اسی طرح ہمیشہ گردش کرتے رہیں گے۔ ان جوہروں کی تعداد غیر محدود ہے اور یہ مختلف شکل و سائز کے ہوتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جوہر ناقابل نفوذ اور ناقابل تقسیم ہے اس لیے کہ اس میں کوئی خلا نہیں ہوتا۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ ہر جوہر اندرونی طور پر ناقابل تغیر ہے ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ آزادانہ گردش کریں اور ایک دوسرے پر ضرب لگائیں اور جب ایسے جوہروں سے ملیں جن کی شکل ان کے مشابہ ہو تو ان سے اتحاد قائم کریں (INTERLOCKING) یہ بے شمار اشکال کے ہوتے ہیں۔ آگ کروی جوہروں (SPHERICAL ATOMS) سے مرکب ہے اور روح کی ترکیب بھی اسی سے ہوتی ہے۔ یہ عالم محض جوہروں کے تصادم (COLLOISON) سے وجود میں آیا ہے[1]

دمقراطیس کا یہ بھی خیال تھا کہ عالم متعدد ہیں، کچھ نشو و نما کے مرحلے میں اور کچھ فنا کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ ممکن ہے بعض میں سورج اور چاند نہ ہوں اور بعض میں ایک سے زیادہ ہوں۔ ہر عالم کا ایک آغاز اور ایک انجام ہے۔ ایک عالم دوسرے بڑے عالم سے ٹکرا کر تباہ ہو سکتا ہے[2]۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)

اس نے اس کے متعلق نہایت تعظیم و تکریم کے کلمات کہے اور ان لوگوں کا مذاق اڑایا جو اسے پاگل سمجھتے تھے اور کہا کہ دراصل مذاق اڑانے والے ہم دونوں سے زیادہ علیل اور بدمزاج ہیں۔

[1] HISTORY OF WESTERN PHILOSOPHY, P.85-91

[2] اسی بات کو مشہور انگریزی شاعر شیلی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

WORLD ON WORLD ARE ROLLING OVER
FROM CREATION TO DECAY
LIKE THE BABBLES ON A RIVER

(اگلے صفحہ پر)

دمقراطیس نے ایلیائی اسکول کے ایک عنصر کے ساتھ امپیڈوسلز کے چار عناصر اور اس کے نظریۂ الفت و نفرت اور انکساگورس کے لامحدود عناصر کے تصور کو بھی رد کر دیا۔ اس نے اس سے بھی انکار کیا کہ عناصر اصلی کسی قسم کی کیفیات محسوسہ رکھتے ہیں۔[1]

اپیکورس (EPICURUS, 341-290 B.C.) نے ذرات کے نظریے کو مزید آگے بڑھایا۔ اس نے کہا کہ جب پانی کو آگ پر گرم کیا جاتا ہے تو وہ اس لیے گرم ہو جاتا ہے کہ ذرات ناری اس میں مخلوط حالت میں موجود ہوتے ہیں۔ تمام نباتات اور حیوانات ذرات کے اجتماع سے عبارت ہیں۔ یہ ذرات مختلف حالات کے لحاظ سے ظاہر اور پوشیدہ ہوتے ہیں مثلاً حیوان مختلف قسم کی نباتات استعمال کرتا ہے اور اس سے حیوان میں خون، گوشت اور ہڈیاں بنتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نباتات کے استعمال سے حیوان میں جو چیزیں پیدا ہو گئی ہیں وہ نباتات میں موجود نہ تھیں۔ یہ سب چیزیں اس میں موجود تھیں مگر ذرات نباتیہ کی وجہ سے مغلوب اور پوشیدہ تھیں اور اب بدن حیوان میں منتقل ہونے کے بعد ذرات نباتیہ کے مغلوب اور پوشیدہ ہو جانے کی وجہ سے ذرات حیوانیہ غالب اور نمایاں ہو گئے۔[2]

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)

SPARKLING, BURSTING, BORNE AWAY

(ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی (برٹرینڈ رسل) ص ۹۱)

ترجمہ: "ایک عالم پیدا ہوتا ہے اور دوسرا فنا ہوتا ہے اور یہی گردش برابر جاری ہے جیسے حباب سمندر کی سطح آب پر ظاہر ہوتے ہیں پھر ٹوٹ جاتے ہیں اور دوبارہ پھر پیدا ہو جاتے ہیں۔"

[1] HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE Vol.1, P.120.

[2] تجدید طب ص ۱۱۴، ۱۵

عناصر جدیدہ

اکثر اہل علم یہ سمجھتے ہیں کہ چار سے زیادہ عناصر کا تخیل ایک جدید تخیل ہے لیکن جیساکہ اوپر بیان ہوا، یہ ایک قدیم خیال ہے (مثلاً انکساگورس اور اہل اکسیر کے نظریے) اور اسی خیال کو بنیاد بناکر جدید علم کیمیا نے استقراء اور تجارب کی مدد سے بہت سے عناصر دریافت کر لیے اور آج ان کی تعداد ۱۰۶ تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں سے ۹۲ عناصر نیچرل اور بقیہ عناصر خود انسان کے ساختہ ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

نمبر شمار	عناصر کے نام		جوہری عدد	جوہری وزن
۱	ہائیڈروجن	HYDROGEN	1	1.0079
۲	ہیلیم	HILIUM	2	4.0026
۳	لیتھیم	LITHIUM	3	6.941
۴	برجلیم	BERGILIUM	4	9.0122
۵	بورون	BORON	5	10.81
۶	کاربن	CARBON	6	12.001
۷	نائٹروجن	NITROGEN	7	14.0067
۸	آکسیجن	OXYGEN	8	15.9994
۹	فلورین	FLUORINE	9	18.9984
۱۰	نیون	NEON	10	20.179
۱۱	سوڈیم	SODIUM	11	22.9898
۱۲	میگنیشم	MAGNESIUM	12	24.305
۱۳	المونیم	ALMONIUM	13	26.9815
۱۴	سیلیکان	SILICON	14	28.086
۱۵	فاسفورس	PHOSPHORUS	15	30.9738

نمبر شمار	عناصر کے نام		جوہری عدد	جوہری وزن
۱۶	سلفر	SULPHUR	16	32.06
۱۷	کلورین	CHLORINE	17	35.453
۱۸	آرگن	ARGON	18	39.948
۱۹	پوٹیشیم	POTASSIUM	19	39.098
۲۰	کیلشیم	CALCIUM	20	40.08
۲۱	اسکینڈیم	SCANDIUM	21	44.9559
۲۲	ٹیٹینیم	TITANIUM	22	47.90
۲۳	کرومیم	CHROMIUM	23	51.996
۲۴	وینیڈیم	VANADIUM	24	50.9414
۲۵	مینگنیز	MAGNESE	25	54.9380
۲۶	آئرن	IRON	26	55.847
۲۷	کوبالٹ	COBALT	27	58.9332
۲۸	نکل	NICKEL	28	58.70
۲۹	کاپر	COPPER	29	63.546
۳۰	زنک	ZINK	30	65.38
۳۱	گیلیم	GALIUM	31	69.72
۳۲	جرمینیم	GERMANIUM	32	72.59
۳۳	آرسینک	ARSENIC	33	74.916
۳۴	سیلینیم	SELENIUM	34	78.96
۳۵	برومین	BROMINE	35	79.906
۳۶	کرپٹون	KRYPTONE	36	83.80
۳۷	روبیڈیم	RUBIDIUM	37	85.4678

جوہری وزن	جوہری عدد	عناصر کے نام		نمبر شمار
87.62	38	STRONTIUM	اسٹرانشیم	۳۸
88.9059	39	YITRIUM	یٹریم	۳۹
91.22	40	ZIRCONIUM.	زرکونیم	۴۰
92.9064	41	NEOBIUM	نیوبیم	۴۱
95.94	42	MOLYBDENUM	مولبڈینم	۴۲
(97)	43	TECHNETIUM	ٹیکنیشیم	۴۳
101.07	43	RUTHENIUM	روتھینیم	۴۴
102.9055	44	RHODIUM	رہوڈیم	۴۵
106.4	45	PALADIUM	پیلاڈیم	۴۶
107.868	46	SILVER	سلور	۴۷
112.40	47	CADMIUM	کیڈمیم	۴۸
114.82	47	INDIUM	انڈیم	۴۹
118.69	48	TIN	ٹن	۵۰
121.75	49	ANTIMONY	انٹی منی	۵۱
127.60	50	TLLURIUM	ٹیلوریم	۵۲
126.904	53	IODINE	آیوڈین	۵۳
131.30	54	XENON	زینن	۵۴
132.9054	55	CESIUM	سیزیم	۵۵
137.34	56	BARIUM	بیریم	۵۶
138.9055	57	LANTHANIUM	لینتھینیم	۵۷
140.12	58	CERIUM	سیریم	۵۸
140.9477	59	PRASEODYMIUM	پراسیوڈیمیم	۵۹

جوہری وزن	جوہری عدد	عناصر کے نام		نمبر شمار
144.24	60	NEODYMIUN	نیوڈیمیم	۶۰
(145)	61	PROMETHIUM	پرومیتھیم	۶۱
150.4	62	SAMARIUM	سمیریم	۶۲
151.96	63	EUROPIUM	یوروپیم	۶۳
157.25	64	GODOLIUM	گڈولیم	۶۴
158.9254	65	TERBIUM	ٹربیم	۶۵
162.50	66	DYSPROSIUM	ڈسپروسیم	۶۶
164.9304	67	HOLMIUM	ہولمیم	۶۷
167.26	68	ERBIUM	اربیم	۶۸
168.9342	69	THULIUM	تھولیم	۶۹
173.04	70	YTTEERBIUM	یٹربیم	۷۰
174.97	71	LUTETIUM	لوٹیٹیم	۷۱
178.49	72	HAFNIUM	ہیفنیم	۷۲
180.9479	73	TANTALUM	ٹینٹلم	۷۳
183.85	74	TANGRTEN	ٹنگسٹن	۷۴
186.207	75	RHENIUM	رہینیم	۷۵
190.2	76	OSMIUM	اوسمیم	۷۶
192.22	77	IRIDIUM	اریڈیم	۷۷
195.07	78	PLATINUM	پلاٹینم	۷۸
196.9665	79	GOLD	گولڈ	۷۹
200.59	80	MERCURY	مرکری	۸۰
204.37	81	THALLICIUM	تھیلیشیم	۸۱

جوہری وزن	جوہری عدد	عناصر کے نام		نمبر شمار
207	82	LEAD	لیڈ	۸۲
(209)	83	BISMITH	بسمتھ	۸۳
(210)	84	POLONIUM	پولونیم	۸۴
(210)	85	ASTATIN	ایسٹیٹین	۸۵
(222)	86	RADAN	ریڈان	۸۶
(223)	87	FRANCIUM	فرانشیم	۸۷
226.0254	88	RADIUM	ریڈیم	۸۸
(227)	89	ACTINIUM	ایکٹینیم	۸۹
232.0389	90	THURIUM	تھوریم	۹۰
231,0359	91	PROTACTINIUM	پروٹیکٹینیم	۹۱
238.029	92	URANIUM	یورینیم	۹۲
		انسان کے ساختہ عناصر		
237.0482	93	NEPTUNIUM	نیپٹونیم	۹۳
(244)	94	PLUTONIUM	پلوٹونیم	۹۴
(243)	95	AMERICIUM	امیریکیم	۹۵
(247)	96	CURIUM	کیوریم	۹۶
(247)	97	BERKLIUM	برکیلیم	۹۷
(251)	98	CALIFORNIUM	کیلیفورنیم	۹۸
(254)	99	EINSTENIUM	آئنسٹینیم	۹۹
(257)	100	FERMIUM	فرمیم	۱۰۰
(258)	101	MENDELEVIUM	مینڈلیویم	۱۰۱

نمبر شمار	عناصر کے نام		جوہری عدد	جوہری وزن
۱۰۲	نوبیلیم	NOBELIUM	102	(255)
۱۰۳	لارنیشیم	LAWRENCIUM	103	(260)
۱۰۴	کرکوٹوویم	KURCHOTOVIUM	104	
۱۰۵	ہینیم	HANIUM	105	
۱۰۶	—	ابھی تک یہ بے نام ہے	106	

عناصر اربعہ اور طب یونانی: طب یونانی کی تدوین جس دور میں ہوئی اس وقت چار عناصر کا نظریہ رائج اور مقبول تھا۔ بقراط (۳۵۹ - ۴۶۰ ق م) نے فیثاغورس (تقریباً ۵۰۰ - ۵۸۲ ق م) کے نظریہ اعداد سے متاثر ہوکر اسے قبول کرلیا۔ اس کے بعد فلسفہ[1] مشائین کے سرخیل ارسطو (۳۲۲ - ۳۸۴ ق م) نے اس کے ساتھ کیفیات اربعہ کا اضافہ[2] کیا۔ بعد ازاں جالینوس (۲۰۱[3] - ۱۳۰ بعد مسیح) نے جو بقراطی طب کا سب سے بڑا شارح اور مفسر گزرا ہے اسے مزید مدلل کرکے پیش کیا۔ عربی حکماء و اطباء نے جن میں ابن سینا کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ ارسطو اور جالینوس کی تشریحات سے متاثر ہوکر عناصر اربعہ کے نظریے کو تسلیم کرلیا اور آج تک بھی نظریہ ہندو پاک کے تمام طبی جامعات میں پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔

---

[1] یہ عربی لفظ مشی سے بنا ہے جس کے معنی چلنے کے ہیں۔ مشائین کے معنی بہت چلنے والے۔ چونکہ یہ فلاسفہ ٹہل ٹہل کر لیکچر دیتے تھے۔ اس لیے مشائین (PEDESTRAIAN) کہلاتے۔

[2] بعض اہل علم کا خیال ہے کہ کیفیات اربعہ کا تصور افلاطون نے دیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بقراط سے بھی پہلے کے حکماء کے یہاں یہ تصور موجود تھا۔

[3] بعض کتابوں میں تاریخ وفات ۱۹۹ یا ۲۰۰ بھی لکھی ہے۔

لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ عناصر کی تعداد چار سے بڑھ کر ۱۰۹ ہو چکی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ چار عناصر کا قدیم نظریہ صحیح نہیں ہے مگر ہندو پاک کے اکثر اطبا کا اب بھی یہ خیال ہے کہ اربعیت ارکان کا نظریہ صحیح ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عناصر کی طبی تقسیم عددی نہیں بلکہ صفاتی ہے یعنی عناصر کو باعتبار صفات چار اجناس میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ عناصر کی تعداد صرف چار تک محدود ہے۔

راقم سطور کے خیال میں یہ توجیہ کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس توجیہ کو قبول کرنے میں سب سے بڑی دشواری یہ حائل ہے کہ اطبائے متقدمین بساطت عنصر کے قائل تھے۔ یعنی ان کی تعریف کے مطابق عنصر وہ ہے کہ اگر اسے تقسیم کیا جائے تو اس کے تمام اجزاء باعتبار خواص یکساں ہوں، مختلف الخواص اور مختلف الماہیت نہ ہوں[1] اور یہ عنصر کی بالکل صحیح تعریف ہے اور جدید علم کیمیا نے بھی اس کی یہی تعریف کی ہے۔ اس تعریف کے مطابق آگ، ہوا، پانی اور مٹی کو عناصر نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ تجارب کثیرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ بسیط[2] نہیں بلکہ مرکب ہیں یعنی یہ مختلف الخواص اجزاء سے مل کر بنے ہیں مثلاً پانی دو جزوں (آکسیجن و ہائیڈروجن) سے مرکب ہے جو مختلف الخواص ہیں۔

تعریف عناصر کے اسی نقص کو دیکھ کر عصر حاضر کے بعض اطبا نے عناصر کی اربعیت سے انکار کیا ہے مثلاً حکیم عبد اللطیف فلسفی لکھتے ہیں:[3]

"اسی طرح محسوسات کے علم میں تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے حال کے حکماء نے اس درجہ ترقی کی ہے کہ دنیا میں سینکڑوں مافوق العقل چیزیں جو پیشتر غیر ممکن سنی جاتی تھیں ان کو آج ہم اپنی

[1] اسطقسات کی بھی یہی تعریف کی گئی ہے، ملاحظہ ہو، کامل الصناعۃ ج ۱ ص ۱۵

[2] بسیط کا لفظ مفرد کا مرادف نہیں ہے بلکہ اس سے وہ چیز مراد ہوتی ہے جو متحد الخواص ہو اور تقسیم کی صورت میں اس کے تمام اجزاء یکساں خواص رکھتے ہوں۔

[3] حکیم عبد اللطیف، تجدید طب ص ۳۸

آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی پیشتر بسیط سمجھے جاتے تھے لیکن آج ایسے آلات اور تحلیل کے طریقے بہم پہنچ گئے ہیں جن کی وجہ سے نہایت آسانی کے ساتھ وہ مختلف اجسام کی جانب تحلیل و تفریق قبول کرتے ہیں۔ ان تجربات و مشاہدات کے سامنے ایسے قیاسات محض جو بنیادت خود احتمالات کی بنیادوں پر قائم ہوں، قصر تخیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ہم تو یہ دعویٰ کرنے کی جرأت بھی کر سکتے ہیں کہ عناصر کی اربعیت خود انہی کے اختراع کیے ہوتے اصولوں کے لحاظ سے بھی ثابت نہیں ہوتی۔"

راقم کے نزدیک اس مسئلہ کے حل کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہم عناصر کے بجائے اُسطقسات کی اصطلاح استعمال کریں جو قدیم اطباء کے یہاں مستعمل تھی اور اسے مادے کی نوعی تقسیم قرار دیں کیونکہ مادہ کو جب بھی تقسیم کیا جائے گا تو وہ لازماً انہی چار انواع (آگ، پانی، ہوا، مٹی) میں تقسیم ہوگا۔ کائنات میں مادہ بالفعل انہی چار صورتوں میں پایا بھی جاتا ہے۔ یہ انواع اربعہ متعدد عناصر پر مشتمل ہیں جیسا کہ تحقیق جدید نے بیان کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ہم کو اُسطقس کی قدیم تعریف کو بھی بدلنا ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ اسطقس ان اجزائے اوّلیہ کو کہتے ہیں جو مختلف الخواص اجزاء سے مرکب نہ ہوں بلکہ اس کی جگہ یہ کہنا ہوگا کہ وہ مختلف الخواص اجزاء سے مرکب ہوتے ہیں۔ اگر اطباء اس ترمیم کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی تاخیر کے بغیر ارکان (عناصر) کی اربعیت کے تصور سے دستبردار ہو جائیں اور تسلیم کر لیں کہ عناصر کی تعداد چار سے زیادہ ہے[1]

عناصر اور بدن انسان

کائنات کے دیگر مادی اجسام کی طرح بدن انسان بھی اُسطقسات اربعہ سے مل کر بنا ہے۔ ابوسہل مسیحی (متوفی ۴۰۱ھ / ۱۰۱۰ء) نے لکھا ہے[2]

---

[1] اطباء متقدمین میں ابوسہل مسیحی اُسطقسات کثیرہ کا قائل تھا۔ دیکھیں ابن مسیحی ج ۱ ص ۹۲

[2] ابوسہل مسیحی، کتاب المائۃ ج ۱ ص ۲

"بدن انسان متشابہ الاجزاء اعضاء سے مرکب ہے اور ان میں سے ہر ایک اولاً منی سے ترکیب پاتا ہے اور بعد ازاں خون سے، خون غذا سے اور غذا نباتات یا حیوان سے۔ حیوان کے بدن کا حال بالکل انسانی بدن جیسا ہے۔ ان سب ابدان کی تکوین نباتات سے اور نباتات کی تکوین مٹی اور پانی سے ہوتی ہے۔ اسی طرح بدن انسان اُسطقسات سے مرکب ہوتا ہے۔"

آگے مزید لکھتا ہے:[1]

"اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ترکیب بدن کے اعتبار سے تھا، اگر اس کی تحلیل کریں تو پھر بدن اسطقسات ہی میں تبدیل ہو جائے گا۔ جب بدن فاسد ہوتا ہے تو وہ پانی اور مٹی کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ وہ پہلے خون میں تبدیل ہو، خون غذا میں، غذا نباتات میں اور نباتات اُسطقسات میں۔"

انسان میں اُسطقسات اربعہ کی موجودگی کے دلائل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:[2]

"بدن انسان کو چھونے سے جوہر ارضی اور جوہر مائی کا پتہ تو چل جاتا ہے کیونکہ بدن انسان کے بعض اجزاء سخت اور بعض نرم ہوتے ہیں۔ سخت جوہر (جوہر صلب) مٹی اور نرم جوہر (جوہر لین) پانی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آگ اور ہوا کے بارے میں کیسے معلوم ہو کہ وہ بھی جسم میں موجود ہیں۔ مٹی اور پانی جیسے جوہروں (عناصر) کا ادراک حس اور قیاس دونوں کے ذریعہ ترکیب و تحلیل کی صورت میں ہو جاتا ہے لیکن آگ اور ہوا کا ادراک حس سے نہیں ہوتا بلکہ صرف قیاس سے ہوتا ہے۔ اعضاء اُسطقسات سے مرکب ہیں لیکن یہ ترکیب اختلاط طبعی کا نتیجہ ہے اور یہ فعل و انفعال کے بغیر ممکن نہیں اور ان کا اتمام تضاد ہی سے ہوتا ہے۔ پانی مٹی کی ضد

---

[1] کتاب الماۃ ج ۱ صفحہ ۲۷

[2] ایضاً صفحہ ۲۸

نہیں ہے اس لیے ان سے اختلاط طبعی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن آگ پانی کی ضد اور ہوا مٹی کی ضد واقع ہوتی ہے۔ اس طرح اُسطقسات اربعہ کی موجودگی بدن میں ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ یہ حس سے معلوم نہیں ہوتے۔"

اقتباسات بالا سے صاف ظاہر ہے کہ بدن انسان میں اُسطقسات اربعہ کی موجودگی کے جو دلائل دیے گئے ہیں وہ تمام تر قیاسی اور احتمالی ہیں، تجربہ و مشاہدہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اشیائے کائنات کی طرح انسان کا بدن بھی اُسطقسات سے مرکب ہے۔

انسانی بدن میں عناصر کی تعداد جدید تحقیق کے مطابق

جدید علم کیمیا کی تحقیق کے مطابق بدن انسان میں تقریباً ۱۸ عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان عناصر کو بدن انسان کی ترکیب اور ان کے افعال کے لحاظ سے تین خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) ضروری عناصر (ESSENTIAL ELEMENTS)

(الف) کثیر ضروری عناصر (MAJOR ESSENTIAL ELEMENTS)

(ب) قلیل ضروری عناصر (MINOR OR TRACE ESSENTIAL ELEMENTS)

(۲) ممکن ضروری عناصر (POSSIBLY ESSENTIAL ELEMENTS)

(الف) کثیر ممکن ضروری عناصر (MAJOR OR BULK POSSIBLY ESSENTIAL ELEMENTS)

(ب) قلیل ممکن ضروری عناصر (MINOR OR TRACE POSSIBLY ESSENTIAL ELEMENTS)

(۳) غیر ضروری عناصر (UN-ESSENTIAL ELEMENTS)

غیر ضروری عناصر کا یہ مطلب نہیں کہ بدن میں ان کی موجودگی غیر ضروری ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی بدن میں ان کے طبعی وظائف کا پتہ نہیں لگایا جا سکا

ہے۔ ضروری عناصر کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) عناصر کثیرہ (۲) عناصر قلیلہ، اور اسی طرح ممکن ضروری عناصر کی بھی دو قسمیں ہو جاتی ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ درج ذیل جدول سے بدنی عناصر کی مذکورہ بالا تقسیم کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

اقسام عناصر	عناصر کے نام	تعداد
(۱) ضروری عناصر (الف) کثیر ضروری عناصر	کیلشیم، کاربن، فاسفورس، ہائیڈروجن، آئرن، میگنیشیم، نائٹروجن، سوڈیم، آکسیجن، پوٹاشیم، سلفر	۱۲
(ب) قلیل ضروری عناصر	کاپر، کوبالٹ، فلورین، آیوڈین، مینگنیز، مولیبڈینم، زنک	۷
(۲) ممکن ضروری عناصر (الف) کثیر ممکن ضروری عناصر	سیلیکان	
(ب) قلیل ممکن ضروری عناصر	آرسینک، بورون، بیریم، برومین، کرومیم، جرمینیم، نکل، روبیڈیم، سلینیم، ٹن، اسٹرانشیم، وینیڈیم	۱۲
(۳) غیر ضروری عناصر	سلور، المونیم، بسمتھ، کیڈمیم، لیڈ، انٹی منی، گولڈ، بریلیم، گیریم، کیسیم، ڈسپروسیم، ایربیم، یوروپیم، گیلیم، گیڈولیم، ہیفنیم، مرکری، ہولیم، آئریڈیم، لینتھینم، لیتھیم، لوٹیشیم، نیوبیم، نیوڈیمیم، اوسمیم، پیلیڈیم، پولونیم، پراسیوڈیمیم، پلاٹینم، ریڈیم، رینیم،	

	ربوڈیم، ریڈان، روتھینیم، اسکینڈیم، سیریم، ٹینٹلم، ٹربیم، تھیلوریم، تھوریم، تھیلیئیم، ٹکنیٹیم، تھولیم، یورینیم، ٹنگسٹن، یٹریم، یٹربیم، زرکونیم،	۴۸

تشکیل خلیات میں عناصر کا حصہ :- اوپر ہم نے جن بدنی عناصر کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے ۱۹ عناصر واضح طور پر تشکیل خلیات میں حصہ لیتے ہیں جن کے نام یہ ہیں: آکسیجن، کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، فاسفورس، سلفر، سوڈیم، پوٹاشیم، میگنیشیم، کلورین، کیلشیم، آئرن، کاپر، کوبالٹ، مینگنیز، مولیبڈیم، آیوڈین، فلورین، زنک۔ ان میں سے ابتدائی چھ عناصر (آکسیجن ٪۶۵، کاربن ٪۱۸ر۵، ہائیڈروجن ٪۹ر۵، نائٹروجن ٪۳ر۳، فاسفورس ٪۱، سلفر ٪۰ر۲۵) تمام زندہ اجسام کے خلیات (CELLS) کی مجموعی جسامت کا ۹۷ر۲۵ فیصد بناتے ہیں اور بقیہ عناصر کا ۲ر۷۵ فیصد حصہ ہوتا ہے۔

بقائے صحت اور تولید امراض میں عناصر کا رول :- یونانی اطباء نے یہ تو بتایا کہ بدن انسان کی ترکیب میں عناصر (اسطقسات) شریک ہیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ بقائے صحت اور تولید امراض میں ان کا کیا رول ہے؟ دوسرے لفظوں میں وہ عناصر کا رشتہ فزیالوجی (منافع الاعضاء) اور پیتھالوجی (علم الامراض) سے جوڑنے سے قاصر رہے اور اس کی وجہ محض نظریاتی اغلاط ہے۔

جدید علم کیمیا کی تحقیقات سے اب یہ بات مسلّم ہو چکی ہے کہ بدن انسان کے حیاتیاتی افعال کی انجام دہی کے لیے متعین عناصر کا بدن میں ایک مخصوص مقدار میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ ان کی کمی اور زیادتی دونوں سے بدنی افعال میں واضح خلل پڑتا ہے اور مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

بدن انسان کے جن اہم ۱۹ عناصر کا اوپر تذکرہ ہوا ہے یہاں صرف انہی کے حیاتیاتی افعال اور ان سے پیدا ہونے والی

بیماریوں کو بیان کیا جائے گا۔[1]

ہائیڈروجن اور آکسیجن دوسرے عناصر کے مقابلے میں بدن انسان میں ان کی مقدار جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیزیں بھی ہم کھاتے ہیں وہ بیشتر پانی کے دو جزو ہائیڈروجن اور آکسیجن پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس لیے ان کی مقدار جسم میں زیادہ ہوتی ہے۔ بدن کے حیاتیاتی افعال کی انجام دہی میں ان کی کلیدی حیثیت بالکل واضح ہے۔

کاربن اور نائٹروجن ہائیڈروجن اور آکسیجن کے بعد کاربن اور نائٹروجن کا درجہ ہے جو بڑے بڑے عضوی جزئیات (ORGANIC PARTICLES) جسم کے اساسی افعال انجام دیتے ہیں وہ انہی سے مرکب ہوتے ہیں علاوہ ازیں فاسفورس اور گندھک بھی ان کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں، مزید برآں پروٹین کے جزئیات (PROTEIN PARTICLES) یعنی ہیموگلوبین اور البیومین بھی اس میں شامل ہیں۔

کیلشیم کیلشیم فاسفورس کے ساتھ مل کر ہمارے جسم کی ہڈیوں اور دانتوں کا بڑا حصہ بناتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی کھوپڑی ایک نرم غضروف (CARTILAGE) ہوتی ہے۔ اس کا ڈھانچہ کو مضبوط ہڈی میں تبدیل کرنے کے لیے کیلشیم، فاسفورس اور وٹامن ڈی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے ایک عنصر بھی کم ہوتا ہے تو بچے کی ہڈی کی تشکیل صحیح طور پر نہیں ہوتی اور دانتوں کی نشو و نما بھی متاثر ہوتی ہے۔ اور وہ جلد خراب (DECAY) ہو جاتے ہیں۔ عضلات کو صحیح طور پر کام کرنے کے لیے بھی کیلشیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر خون میں کیلشیم کی وافر مقدار موجود ہے تو یہ اخراج خون کے وقت خون کو جمنے میں مدد دیتا ہے۔

---

[1] دی ڈکشنری آف فوڈ، بربارا یون گلب ص ۳۱ تا ۳۸

فاسفورس یہ ہمارے نسیج (TISSUE) اور خلیات میں موجود ہوتا ہے اور توانائی (انرجی) کے اخراج میں اہم حصہ لیتا ہے۔ چونکہ یہ تقریباً جملہ اقسام کی غذاؤں میں شامل ہوتا ہے اس لیے جسم میں اس کی کمی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔

آئرن (فولاد) آکسیجن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے ہیں اور اس غرض کے لیے ہمارے جسم کو فولاد کی سخت ضرورت ہے۔ خون کے سرخ ذرات (RED BLOOD CORPUSCLES) میں موجود ہیموگلوبن کا یہ حصہ ہوتا ہے جو پھیپھڑوں سے نسیم (آکسیجن) لے کر انسجہ تک پہنچاتے ہیں جہاں وہ غذائی اجزاء کو جلاتی ہے اور جسم کو توانائی مہیا کرتی ہے۔ فولاد عضلاتی پروٹین اور انزائم میں بھی پایا جاتا ہے جو احتراق (OXIDATION) کے عمل میں معاون بنتے ہیں۔ ایک بار جب فولاد جسم میں جذب ہو جاتا ہے تو یہ ایک مدت تک ہمارے جسم میں باقی رہتا ہے اور بکرار استعمال میں آتا رہتا ہے۔ سُرخ ذرات کی عمر ۱۲۰ دن ہوتی ہے۔ اس مدت کے اختتام پر یہ ذرات جگر میں ٹوٹ جاتے ہیں اور ہیموگلوبن میں موجود فولاد باہر نکل آتا ہے اور اسی جگہ مقیم رہتا ہے تاکہ دوبارہ سرخ ذرات کی تشکیل میں استعمال ہو جاتا ہے۔

اس تحفظ کے باوجود ہمارا جسم فولاد کو ضائع کرتا رہتا ہے مثلاً خون بہنے کی صورت میں، ہاضم رطوبات (DIGESTIVE JUICES) کے افراز کی صورت میں، پسینہ اور آنسوؤں کی صورت میں۔ عورتوں میں حیض اور حمل کی وجہ سے فولاد کا ضیاع زیادہ ہوتا ہے۔

فولاد کی کمی سے فقرالدم (انیمیا) کی بیماری ہو جاتی ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ بڑی مقدار میں فولاد کو جسم میں داخل کیا جائے۔ جسم اسی وقت فولاد کو جذب کرتا ہے جب اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ اسے باہر نکال دیتا ہے۔ ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے جگر میں فولاد کی کافی مقدار جمع ہوتی ہے اور چھ مہینے تک باقی رہتی ہے۔ جو بچے ماں کا دودھ پیتے ہیں وہ فولاد کی زیادہ مقدار حاصل کرتے ہیں لیکن گائے کا دودھ پینے والے بچے کم مقدار میں

فولاد حاصل کر پاتے ہیں۔ اگر بوتل کے دودھ کے ساتھ ماں کا دودھ نہ پلایا جاتے تو ایک چھ مہینے کا بچہ فقرالدم میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

سوڈیم یہ نمک (SODIUM CHLORIDE) کے دو جز میں سے ایک ہے۔ تمام جسمانی رطوبات میں نمک کی ایک مخصوص مقدار موجود ہوتی ہے۔ نمک کی کمی سے پروٹین کا انہضام ٹھیک طور پر نہیں ہوتا اور بدن میں رطوبت کے امساک (RETENTION) میں دقت پیش آتی ہے، اس سے تشنجِ عضلات (MUSCLES CRAMPS) کی شکایت بھی پیدا ہوتی ہے۔ جب جسم میں نمک کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ پیشاب اور پسینہ کے ذریعے خارج ہو جاتی ہے۔ گرم موسم میں غذا میں نمک کی زائد مقدار کی ضرورت ہوتی ہے اس کے علاوہ فولاد کے کارخانوں اور معدنیاتی کانوں میں کام کرنے والوں اور دیگر محنت کش لوگوں کی غذا میں بھی نمک کی زائد مقدار ضروری ہے۔ جن ملکوں میں فوجیں گرم موسم میں کام کرتی ہیں ان کو "قرص نمک" پابندی کے ساتھ دیا جاتا ہے۔

غذا میں نمک کی زیادہ مقدار بعض لوگوں کے لیے ضرر رساں ہے لیکن بعض افراد میں یہ خون کا دباؤ (HYPERTENSION) تہبج (EDEMA) اور فشلِ قلب امتلائی (CONGESTIVE HEART FAILURE) جیسی بیماریاں پیدا کر دیتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ نمک کی مقدار کم کر دی جاتے۔ بچوں کو زیادہ نمک نہ دیا جاتے کیونکہ ان کے گردے نمک کی زائد مقدار کے نکلنے سے صحیح طور پر نمٹ نہیں سکتے ہیں۔

پوٹاشیم جسم میں پوٹاشیم کا فعل سوڈیم کے مشابہ ہے۔ خلیات کے باہری رطوبت میں سوڈیم اور ان کے اندر کی رطوبت میں پوٹاشیم کی مناسب تقسیم جسم میں پانی کی ضروری مقدار کو برقرار رکھتی ہے۔ بیرونِ خلیات رطوبت کی زیادہ مقدار استسقاء (DROPSY) اور تہبج (EDEMA) پیدا کرتی ہے اور کم مقدار کی صورت میں مائی قلت (DEHYDRATION) پیدا ہوتی ہے۔ پوٹاشیم خلیات کو توانائی کے انجذاب میں مدد دیتا ہے نیز خون کے سرخ ذرات اور عضلات میں بھی پایا جاتا ہے، نمک کی طرح پانی میں حل ہو جاتا ہے

جسم میں پوٹیشیم کی اتنی ہی مقدار چاہیے جتنی روزانہ پیشاب میں خارج ہوتی ہے یعنی ۲ سے ۴ گرام۔ جو مریض گردہ کی عدم فعلیت (KIDNEY FAILURE) میں مبتلا ہوں اور گردے کی مشین (KIDNEY MACHINE) پر رکھے گئے ہوں ان کی غذا میں پوٹیشیم اور سوڈیم کی مقدار پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ ان کی زیادہ مقدار سے اچانک قلب کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ چاکلیٹ نہ کھائیں کیونکہ اس میں پوٹیشیم کی بڑی مقدار پائی جاتی ہے۔ وہ سبزیوں کو بھی کافی دیر تک پکا کر کھائیں تاکہ پوٹیشیم کی مقدار کم ہو جائے۔ ذیابیطس (DIABETESE) اور دوسری بیماریوں میں جن میں پیشاب زیادہ مقدار میں خارج ہوتا ہے پوٹیشیم کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

آج کل امریکہ اور انگلینڈ دونوں میں اس نظریہ پر تحقیق ہو رہی ہے کہ نمک اور پوٹیشیم کی زیادہ مقدار کی حامل غذاؤں کے استعمال سے اس بات کا امکان بڑھ جاتا ہے کہ عورت لڑکا جنے۔ اسی طرح نمک اور پوٹیشیم کی قلیل مقدار کی حامل غذاؤں کے استعمال سے یہ قوی امید ہوتی ہے کہ عورت لڑکی جنے۔

متذکرہ عناصر وہ ہیں جو جسم میں زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں لیکن بقیہ عناصر جسم میں نہایت کم مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ صرف ان کے اثرات (TRACES) کا پتہ لگایا جا سکا ہے اس لیے انھیں عناصر قلیلہ (TRACE ELENENTS) کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صحیح تغذیہ (PROPER NUTRITION) کے لیے ضروری ہیں۔ اس سلسلے میں اب تک جو تحقیقات ہوئی ہیں ان کو ہم یہاں اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

زنک — کاربن ڈائی آکسائڈ کو جسم سے خارج کرنے میں زنک خون کی مدد کرتا ہے اور جلد کی سب سے باہری تہہ (LAYER) کو مضبوط بناتا ہے۔ اس کی کمی سے فقر الدم پیدا ہوتا ہے اور جسم کی نشوونما میں خلل واقع ہوتا ہے۔ یہ نامردی کا بھی سبب ہوتا ہے۔ ان عوارضات کو غذا میں زنک کی مقدار بڑھا کر دور کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے جسم کو زنک کی اتنی ہی مقدار درکار ہے جتنی تانبے کی۔

فلورین یہ ہڈیوں اور دانتوں کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کی کمی سے دانتوں میں انحطاطی عمل (DECAY) شروع ہوتا ہے۔ بعض اصحاب علم نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ بچوں کے دانتوں میں انحطاطی عمل کی روک تھام کے لیے ایک موثر تدبیر یہ ہے کہ پینے والے پانی میں اسے ایک اور ۱۰ لاکھ کی نسبت (ONE PART TO A MILLION) سے ملا دیا جائے لیکن اس خدشے کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ پانی میں اس کی زیادہ مقدار دانتوں کو بدنما بنا سکتی ہے یعنی اس پر بھورے اور سفید دھبے پڑ سکتے ہیں۔

میگنیشیم یہ ہڈی اور دانت کے بنانے میں حصہ لیتا ہے اور طبعی استحالہ (METABOLISM) کے لیے بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ یہ اکثر غذاؤں میں ملتا ہے اس لیے اس کی کمی کا بہت کم امکان ہوتا ہے۔

کاپر جسم میں اس کے قطعی فعل کو ابھی تک جانا نہیں جا سکا ہے، لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اجزائے غذائیہ NUTRITION کے احراق OXIDATION میں معاون بنتا ہے۔ ایک بیماری کا نام ولسن ڈیزیز WILSON'S DISEASE ہے جس میں جسم کے اندر کاپر کی بڑی مقدار جمع ہو جاتی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ زائد مقدار کو جسم سے خارج کر دیا جائے۔ یہ ایک موروثی بیماری ہے اور اس کی وجہ سے جگر کی بیماری CIRRHOSIS OF LIVER اور بعض اعصابی بیماریاں (NEUROLOGICAL DISORDERS) پیدا ہوتی ہیں۔

آیوڈین یہ تھائراکسین (THYROXINE) کا ایک اہم جزو ہے۔ یہ ایک ایسا مادہ ہے جسے غدّہ درقیہ (THYROID GLAND) خارج کرتا ہے اور یہ جسمانی اور ذہنی نشوونما کو کنٹرول کرتا ہے۔ GOITER (گھیگا) کی بیماری جس میں غدّہ درقیہ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، آیوڈین کی کمی سے ہوتی ہے۔ جو عورتیں اس مرض میں مبتلا ہوتی ہیں ان کے بچوں میں بعض اوقات پیدائشی طور پر غیر فعال غدّہ درقیہ (INACTIVE THYROID GLAND) ملتا ہے جس کی وجہ سے بچے کی نشوونما رک جاتی ہے یا ان میں عضوی بدہیئتی ملتی ہے

جن علاقوں میں مقامی طور پر پیدا ہونے والی غذائی اشیاء میں سے چند ہی میں آیوڈین ملتا ہے. وہاں یہ بیماری زیادہ وقوع میں آتی ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے قرص آیوڈین (IODISED SALT) استعمال کرایا جاتا ہے۔

کوبالٹ | تغذیہ کے نقطۂ نظر سے یہ بہت ضروری ہے اس لیے کہ یہ وٹامن B_{12} کا ایک جزو ہے جو خون کے سرخ ذرات کی تشکیل کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی کمی سے فقرالدم ہوتا ہے۔

مولیبڈنیم | یہ ایک ایسے انزائم کا جزو ہے جو یورک ایسڈ کی تشکیل میں استعمال ہوتا ہے۔ اسے صحت کے نقطۂ نظر سے بہت زیادہ ضروری خیال نہیں کیا جاتا ہے۔

سیلینیم | اس کے بارے میں خیال ہے کہ یہ انجماد خون کو روکتا ہے۔ یہ وٹامن ای کے ساتھ مل کر ہی عمل کرتا ہے۔ قلب کی بعض شدید بیماریوں میں وٹامن ای اور سیلینیم کے مرکب کو بطور امتحان استعمال کیا جا رہا ہے یہ ذبول عضلی (MUSCULAR DYSTROPHY) کے روکنے میں بھی معاون بنتا ہے

کرومیم | یہ جسم میں انسولین کی تشکیل اور اس کے استعمال میں اہم رول ادا کرتا ہے۔ تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ کولسٹرال کی سطح کو گھٹاتا ہے اس لیے آن قلبی اور دوران خون کی بیماریوں کی روک تھام میں مددگار ثابت ہوتا ہے جو شحمی اجتماع (FATTY DEPOSITS) سے واقع ہوتی ہیں۔ جسم کس ذریعہ سے اس عنصر کو حاصل کرتا ہے اسے ابھی تک معلوم نہیں کیا جا سکا ہے۔

بوروں | یہ پیشاب میں نہایت قلیل مقدار یعنی TRACES کی شکل میں پایا جاتا ہے اس کے حیاتیاتی عمل کا ابھی تک تعین نہیں کیا جا سکا ہے۔

آرسینک | یہ جسم کی ساخت کے بنانے میں حصہ لیتا ہے، پیشاب میں TRACES کی شکل میں ملتا ہے۔

نکل اس کا تعلق غالباً تلوّن (PIGMENTATION) سے ہے۔ یہ تشکیل جسم میں حصہ لیتا ہے اور پروٹینی غذاؤں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

سلفر اوپر ہم نے عناصر بدنی کے افعال کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بقائے صحت اور تولید امراض میں عناصر کا رول بڑی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ ابھی بہت سے عناصر بدنی کے حیاتیاتی فعل کا مطالعہ جاری ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل میں اس سلسلے میں حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں بقائے صحت اور تولید امراض میں عناصر کے واقعی رول کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے گا۔

اخلاط

لغوی معنی | خلط کی جمع اخلاط[1] ہے۔ خلط کے لغوی معنی آمیزش کے ہیں منجد میں جو عربی کا ایک معروف لغت ہے اس کے معنی یہ لکھے ہیں:

"خلط ہر وہ چیز ہے جو دوسری چیز کے ساتھ مل ہو اس کی جمع اخلاط ہے۔"

اصطلاحاً اس کا اطلاق ان رطوبات پر ہوتا ہے جو عروق دمویہ[2] کے اندر مخلوط حالت میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی خون، صفرا، بلغم اور سودا۔

اخلاط کی تعریف | ابو سہل مسیحی (متوفی ۱۰۱۰ء) نے اخلاط کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے[3]:

اجسام رطبة سيالة محصورة	وہ اجسام رطب سیال ہیں جو برتنوں
في اوعية تمنعها عن السيلان	(عروق) کے اندر بند ہیں جو انھیں بہنے سے
وهذه هي الاخلاط	روکتے ہیں اور انہی کا نام اخلاط ہے۔

---

[1] عام طور پر اخلاط کا ترجمہ انگریزی میں HUMOUR کیا جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ہیومر کے لغوی معنی رطوبت (CHAMBER'S DICTIONARY: HUMOUR: MOISTURE, FLUID) کے ہیں جب کہ اخلاط کے معنی مخلوط چیز کے ہیں۔ اس لیے ہیومر کا ترجمہ MIXED FLUID ہوگا نہ کہ HUMOUR۔

[2] بعض اطبا نے عروق و تجاویف دونوں کی رطوبات پر اخلاط کا اطلاق کیا ہے اور بعض کے نزدیک بدن کی جملہ رطوبات اخلاط میں داخل ہیں اس پر تفصیلی گفتگو اگلے صفحات میں ملے گی۔

[3] ابو سہل مسیحی، مائۃ مسیحی ج ۱ صفحہ ۸

ابن سینا (متوفی ۱۰۳۷ء) نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے[1]:

الخلط جسم رطب سیّال یستحیل الیه الغذاء اوّلاً	خلط ایک جسم رطب سیّال ہے جس کی طرف غذا پہلے پہل مستحیل یعنی متغیر ہوتی ہے۔

نظریۂ اخلاط اور بقراط

عام طور پر طبی حلقوں میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ نظریۂ اخلاط کا بانی بقراط (متوفی ۳۷۰ ق م) تھا۔ اسی نے بتایا کہ بدن انسان میں چار خلطیں، خون، صفراء، بلغم اور سوداء کے نام سے پائی جاتی ہیں۔ جب تک یہ کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے حالت اعتدال میں ہوتی ہیں آدمی بیماری سے محفوظ رہتا ہے اور ان کا عدم اعتدال بیماری ہے[2]

حکیم سید اشتیاق احمد لکھتے ہیں:

"نظریۂ اخلاط کا بانی ابوالطب بقراط ہے جس نے اس نظریہ کو آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل اپنی کتاب "طبیعت الانسان" میں بہت ہی سائنٹیفک طور پر پیش کیا ہے۔ بقول بقراط کے بدن میں (بلحاظ رنگ) چار انواع رطوبات (اخلاط) پائی جاتی ہیں، دم، بلغم، صفراء اور سوداء ان کے بلحاظ کمیت و کیفیت صحیح تناسب اور توازن (HOMOSTATIS) سے صحت کا قیام رہتا ہے اور (بصورت دیگر) بلحاظ کمیت و کیفیت غیر صحیح تناسب اور بے قاعدہ انتشار موجب مرض بن جاتا ہے۔"[3]

حکیم موصوف نے بقراط کے اس قول کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اس لیے اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔

یہ خیال کہ نظریۂ اخلاط کا بانی بقراط تھا سب سے پہلے جالینوس نے پیش کیا اور پھر اس کی اتباع میں آنکھ بند کر کے اس بات کو مان لیا گیا لیکن بہت سے محققین کی رائے یہ ہے کہ بقراط کی طرف اس خیال کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

---

[1] ابن سینا، القانون فی الطب ج ۱ ص ۴
[2] ایضاً
[3] حکیم سید اشتیاق احمد، کلیات عصری ص ۸۴

تندرستی کے لیے صرف یہی ضروری نہیں کہ مناسب مقدار میں اجزائے غذائیہ (NUTRIENTS) حاصل ہوں بلکہ اس نظام (PROCESS) کا جس کے ذریعہ غذا جزو بدن ہوتی ہے کسی فساد و اختلال سے محفوظ رہنا بھی ضروری ہے۔ انجذاب کے بعد غذا مختلف مراحل تغیر سے گزرتی ہے جیسا کہ کھانا پکانے کے عمل میں ہوتا ہے۔ اس پخت و نضج (COCTION) کے اختتامی مرحلے میں غذا نیم سیال حالت میں جزو بدن بننے کے لیے تیار ہوتی ہے لیکن بقراط کی طرف منسوب کاموں میں کسی میں بھی اس کی وضاحت نہیں کہ اخلاط کس طرح بنتے ہیں۔[1]

فصول بقراط (CORPUS HIPPOCRATICUM) میں مندرج مختلف مرضیاتی نظریے (PATHALOGICAL THEORIES) باہم مختلف ہیں۔ اکرمین (AKERMENN) نے دعوی کے ساتھ لکھا ہے کہ کوئی رسالہ جس میں یہ لکھا ہو کہ فلاں بیماری کا تعلق صفرا یا بلغم سے ہے، بقراط کا لکھا ہوا نہیں ہو سکتا ہے۔[2]

فرانسس آدم (FRANCIS ADAMS) نے بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ بقراط کسی خلطی نظریے کا قائل رہا ہو لیکن جالینوس کے عہد میں جو خلطی نظریہ رائج تھا وہ اس کو بھی مانتا رہا ہو یہ کہنا مشکل ہے۔ عہد بقراط کے حکماء فی الواقع جس بات کے قائل تھے وہ یہ کہ ایک تندرست آدمی کے بدن میں سیال اجزاء ایک متوازن حالت یا امتزاج (BALANCED STATE OR MIXTURE) میں ہوتے ہیں جس وقت یہ توازن ختم ہو جاتا ہے خواہ اس کا سبب بدل ما یتحلل کے طور پر مطلوبہ غذا کی عدم فراہمی ہو یا اس کی اضاعت ہو یا سیال جزو زیادہ مقدار میں بن رہا ہو اور یا مقامی طور پر کسی خلط غیر طبعی کا اجتماع ہو تو اس سے ناقص امتزاج (FAULTY MIXTURE OR DYSCRASIA) یا بیماری پیدا ہوتی ہے۔[3]

معلوم ہوا کہ بقراط اخلاط اربعہ کے موجودہ نظریے کا قائل نہ تھا۔ اس نے ان

---

1. THEORIES AND PHILOSOPHIES OF MEDICINE P.176
2. ایضاً
3. تھیوریز اینڈ فلاسفیز آف میڈیسن ص۱۷۶

خلطوں کا ذکر تو کیا لیکن اس کی بنیاد پر اس نے کوئی نظریہ یا ہیئت الامراض وضع نہیں کیا جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے جو کچھ کہا وہ صرف یہ کہ بدن انسان میں جو رطوبات پائی جاتی ہیں وہ بلحاظ رنگ تین طرح کی ہیں: خون، صفراء، بلغم۔ یہ رطوبات جب تک بدن میں طبعی تناسب میں ہوتی ہیں بدن کے افعال ٹھیک ڈھنگ سے انجام پاتے ہیں اور ان میں عدم تناسب افعال کی خرابی اور نتیجے کے طور پر بیماری کا موجب ہوتا ہے۔ بدنی رطوبات کے متعلق بقراط کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے جان ٹیٹلر اسکاٹ لینڈی نے لکھا ہے[1]:

قال هٰذا الفاضل (بقراط) ان البدن الانسانی هو مرکب من الاشیاء الجامدة والسائلة والارواح والاجزاء المحیطة و المحاطة۔ وایضاً قسم الرطوبات الاصلیة الی اربعة اقسام: الدم، الصفراء والبلغم والسوداء۔

اس فاضل یعنی بقراط نے لکھا ہے کہ بدن انسان ایسی چیزوں سے مرکب ہے جو جامد، سیال اور ہوائی ہیں یعنی ایسے اجزا سے جو گھرے ہوتے ہیں یا گھیرنے والے ہیں نیز بقراط نے رطوبات اصلیہ کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی خون، صفراء، بلغم اور سوداء۔

اس اقتباس کے مطابق بقراط نے بدن انسان کے سیال جزو کو رطوبات اصلیہ کہا ہے اور باعتبار رنگ اسے چار اقسام میں بانٹا ہے۔ بعد کے اطباء نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ بدنی رطوبات کی تعداد صرف چار ہے حالانکہ یہ تو تقسیم تھی جو کر دی۔

اخلاط جالینوس کی نظر میں

صحیح بات یہ ہے کہ نظریۂ اخلاط کو اس کی موجودہ شکل میں پیش کرنے والا جالینوس (متوفی ۲۰۱ء) ہے۔

جالینوس سے بہت پہلے پانچویں صدی قبل مسیح کے آغاز میں سسلی کے طبی مکتب فکر کے بانی الکمیان (ALCMAEON) نے اس خیال کا اظہار کیا کہ صحت کا توازن چند کیفیات (QUALITIES) پر منحصر ہے۔ لیکن اس کے بعد کے اطباء مثلاً امپیدوکلیز

[1] انیس المشرقین (ڈاکٹر رابرٹ ہوپر کی انگریزی کتاب کا عربی ترجمہ) بحوالہ کلیات عنصری صفحہ

(پانچویں صدی قبل مسیح) فلسطان (PHILISTAN) اور فیلولاس (PHILOLOS) نے عناصر اور اس کی کیفیات کو چار تک محدود کر دیا اور اس خیال کا اظہار کیا کہ ان کیفیات کے مساوی امتزاج کو صحت اور غیر مساوی امتزاج کو مرض کہتے ہیں۔[1]

جالینوس نے اسی روایتی خیال کو لے لیا اور اس پر اپنی فزیالوجی اور پیتھالوجی کی عمارت کھڑی کر دی یعنی نظریۂ اخلاط اربعہ۔ جالینوس کے نزدیک اخلاط ان رطوبات کا نام تھا جو جگر میں معدہ سے آنے والے غذائی کیلوس سے بنتی ہیں اور پھر بدن میں مختلف مقامات مثلاً مرارہ، طحال صدرا اور عروق دمویہ میں محفوظ ہو جاتی ہیں لیکن عروق دمویہ میں یہ چاروں رطوبتیں مخلوط حالت میں ملتی ہیں اور اسی کا نام اخلاط ہے۔ یہی نظریہ طب میں آج تک مروّج ہے۔

اخلاط ابو سہل مسیحی کی نظر میں

ابو سہل مسیحی نے مذکورہ جالینوسی خیال سے انحراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح عروق دمویہ کی رطوبات اخلاط میں شامل ہیں اسی طرح تجاویف اعضاء میں پائی جانے والی رطوبات بھی اس میں داخل ہیں۔ اپنی مشہور کتاب "المائۃ مسیحی" میں ایک جگہ لکھتا ہے:[2]

ان جملۃ البدن تشتمل علیٰ ثلاثۃ اصناف من الاجسام احدھا الاجسام التی لھا فی انفسھا تماسک وصلابۃ لاتحتاج الی الانحصار فی الاوعیۃ بحیث تمنعھا عن السیلان وھذہ ھی الاعضاء	انسان کا تمام بدن تین طرح کے اجسام پر مشتمل ہے؛ ایک وہ جن کے اجزاء میں تماسک (پکڑ) اور صلابت ہوتی ہے اس لیے وہ اس امر سے بے نیاز ہیں کہ انھیں برتنوں (عروق و تجاویف) میں بند کیا جائے تاکہ وہ بہنے سے باز رہیں اور یہ اعضاء ہیں۔
والثانی اجسام رطبۃ سیّالۃ محصورۃ فی اوعیۃ تمنعھا عن السّیلان وھذہ	دوسرے وہ رطب سیّال اجسام جو اپنے برتنوں میں محصور یعنی گھرے ہوتے

---

[1] گیلنس سسٹم آف فزیالوجی اینڈ میڈیسن، روڈولف، ای، سیگل ص ۲۱۶

[2] ابو سہل مسیحی، المائۃ مسیحی ج ا ص ۸

هی الاخلاط والثالث اجسام رقیقة بخاریة محصورة فی اوعیة صفیقة تمنعها عن التحلل سریعاً وهذه هی الارواح

ہیں جو انھیں سیلان سے باز رکھتے ہیں اور یہ اخلاط ہیں۔ تیسرے وہ رقیق بخاری اجسام جو ایسے ٹھوس برتنوں میں محصور ہیں جو انھیں جلد تحلیل ہونے سے روکتے ہیں اور یہ ارواح ہیں۔

آگے رطوبات بدن کی قسمیں بیان کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے[1]:

"رطوبات بدن کی تین قسمیں ہیں (۱) رطوبت اُسطقسیہ[2]، وہ رطوبت ہے جس سے اعضاء کے اجزاء باہم متصل رہتے ہیں اور یہی وہ رطوبت ہے کہ جب فنا ہو جاتی ہے تو اعضاء بھی فنا ہو جاتے ہیں (۲) وہ رطوبت جو عروق میں ہوتی ہے (۳) وہ رطوبت جو اعضاء کے درمیان خالی تجاویف میں پائی جاتی ہے[3] اور رطوبت کی ان دو موخر الذکر قسموں کو اخلاط کہتے ہیں اور یہ چار ہیں: خون، صفراء، بلغم اور سوداء۔ بدن میں ان تمام اخلاط کا حصول بذریعۂ غذا ہوتا ہے۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ ابو سہل مسیحی رطوبت اُسطقسیہ کو اخلاط میں شمار نہیں کرتا تھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ اسے اجزائے غذائیہ میں داخل نہیں سمجھتا تھا بلکہ خلقی طور پر اسے خلیات کا جزو سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہ تھا، لیکن اتنا واضح ہے کہ وہ دیگر رطوبات بدن کو اخلاط میں شامل سمجھتا تھا۔ یہ یقیناً ایک بڑی طبی پیش رفت تھی، لیکن ابن سینا کے زیر اثر بعد کے اطباء پھر جالینوسی خیال کی طرف

[1] مائۃ مسیحی ج ۱ ص ۸۰

[2] اس رطوبت کا دوسرا نام رطوبت جوہریہ یا رطوبت غریزیہ ہے۔ طب جدید میں اس رطوبت کا نام INTER CELLULAR FLUID OR PROTOPLASM ہے۔ یہی رطوبت خلیات (اعضاء مفردہ کے یونٹ) کے اندرونی ماحول اور اس کے مزاج (HOMOSTATIS) کو طبعی حالت پر قائم رکھتی ہے

[3] طب جدید میں یہ رطوبت EXTRA CELLULAR FLUID کہلاتی ہے۔

مل گئے۔

اخلاط ابن سینا کی نظر میں

ابو سہل مسیحی کے برخلاف ابن سینا نے اخلاط کے مسئلے میں جالینوس کی پیروی کی ہے۔ اس نے اخلاط کی جو تعریف کی ہے اور جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم میں اخلاط کی پیدائش غذاؤں سے ہوتی ہے۔ طریقۂ تولید کی وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے[1]:

"چنانچہ جب غذا کا پہلا ہضم (معدہ میں) پورا ہو جاتا ہے تو بہت سے حیوانات میں یہ غذا خود بخود پانی کی مدد کے بغیر اور اکثر حیوانات میں اس پانی کی مدد سے جو غذا کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے، کیلوس بن جاتی ہے۔ کیلوس ایک سیال جوہر ہے جو گاڑھے آش کے پانی سے مشابہ ہوتا ہے۔ کیلوس بننے کے بعد اس کا لطیف حصہ معدہ اور امعاء دونوں سے منجذب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ ان رگوں (وریدوں) کی راہ جو ماساریقا کہلاتی ہیں، آگے بھیج دیا جاتا ہے۔ ماساریقا وہ باریک اور سخت رگیں ہیں جو ساری آنتوں اور (معدہ) سے متصل ہوتی ہیں۔ جب کیلوس ان رگوں میں چلا جاتا ہے تو پھر اس رگ میں پہنچتا ہے جس کا نام باب الکبد ہے، اور جگر میں داخل ہو کر باب الکبد کے ان اجزا اور شاخوں میں پھیل جاتا ہے جو باریک بال کی طرح جگر میں پھیلی ہوتی ہیں اور جن کے منہ اس رگ کی جڑوں کے اجزاء (شاخوں) کے منہ سے ملے ہوتے ہیں جو محدب جگر سے نکلتی ہیں[2]۔ یہ ایسے تنگ راستے ہیں کہ ان کے اندر کیلوس نفوذ نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ پانی زیادہ مقدار میں نہ مل جائے..."

---

[1] القانون فی الطب ج ۱ ص ۲۷

[2] اجوف (VENACAVA) کی جڑیں جو جگر کے اندر ہیں اور جن کو اوردۂ کبدیہ (HEPATIC VEINS) کہا جاتا ہے ان ہی کے منہ باب الکبد کی شاخوں سے ملے ہوتے ہیں۔

جب لطیف کیلوس ان باریک شاخوں (لیفات) میں پھیل جاتا ہے تو گویا سارا جگر کیلوس سے ملاقی ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے جگر کا فعل اس کیلوس میں شدید اور تیز ہو جاتا ہے اور وہ جگر میں پکتا ہے.... چنانچہ اس پکنے سے جو چیزیں بنتی ہیں ان میں ایک رُغوہ (جھاگ) ہے اور یہی صفرا ہے اور رسوب (نیچے بیٹھ جانے والی چیز) سوداء ہے۔ رہی جلی ہوئی چیز (خواہ وہ جگر کی حرارت سے جلی ہو یا مادہ کی استعداد سے) تو اس کا لطیف حصہ ردی صفرا ہے اور کثیف حصہ ردی سوداء۔ یہ دونوں غیر طبعی خلطیں ہیں اور جو چیز (جگر کی حرارت مقصرہ کی وجہ سے) ناپختہ ہوتی ہے وہ بلغم ہے اور ان میں سے جو پختہ ہوتی اور پختہ چیز ہے وہ خون ہے۔"

ابن سینا جگر میں بننے والی انہی چار چیزوں (خون، صفراء، بلغم اور سوداء) کو اخلاط کہتا ہے جہاں اس نے بدنی رطوبات کی تقسیم کی ہے وہاں اس کو بالکل واضح کر دیا ہے لکھتا ہے[1]:

"رطوبات بدن کی دو قسمیں ہیں (۱) رطوبات اولی (۲) رطوبات ثانیہ۔ رطوبات اولی یہی چار اخلاط ہیں جن کا ذکر ابھی ہم کریں گے اور رطوبات ثانیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) فضول (۲) غیر فضول۔ فضول کا ذکر ہم عنقریب کریں گے اور غیر فضول وہ ہیں جو ابتدائی حالت سے نکل کر دوسری حالت میں آ چکی ہیں لیکن اب تک بالفعل وہ اعضاء مفردہ میں سے کسی عضو کا جزو نہیں بن سکی ہیں۔"

آگے مزید لکھتا ہے[2]:

"رطوبت ثانیہ (غیر فضول) کی چار قسمیں ہیں (۱) رطوبت محصورہ، یہ رطوبت اعضاء اصلیہ کی ان چھوٹی رگوں کی شاخوں کے اندر رہتی ہے جو ان اعضاء کو سیراب کرتی رہتی ہیں (۲) رطوبت طلیہ، وہ رطوبت جو شبنم

---

[1] القانون فی الطب ج ۱ ص ۲۹

[2] ایضاً

کی طرح اعضاء اصلیہ (کی ساخت) کے اندر پھیلی ہوتی ہیں ۔ یہ رطوبت اس کام کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے کہ بدن سے غذا مفقود ہو جائے تو یہ غذا بن جاتے اور اس کام کے لیے بھی تیار رہتی ہے کہ جب شدت حرکت وغیرہ سے اعضاء میں خشکی آجائے تو یہ انھیں تر کر دے (۳) رطوبت قریبہ بالانعقاد وہ رطوبت ہے جو لبستہ ہونے کے قریب ہے (یعنی عضو بننے والی ہے) یہ رطوبت دراصل ایک ایسی غذا ہے جو بلحاظ مزاج اور تشبیہ (بلحاظ رنگت) کے جوہر اعضاء میں تبدیل ہو چکی ہے صرف بلحاظ قوام کے پوری تبدیلی نہیں آئی ہے (۴) رطوبت منویہ' وہ رطوبت ہے جو آغاز پیدائش سے اعضاء اصلیہ (کی ساخت) کے اندر داخل ہوتی ہے اور جس رطوبت کی وجہ سے اعضاء اصلیہ کے اجزاء کا باہمی اتصال ہے اس رطوبت کا مبدأ نطفہ ہے (منی سے یہ رطوبت حاصل ہوتی ہے) اور نطفہ کا مبدأ اخلاط ہیں ۔"

اخلاط کے بیان میں ابن سینا کے یہاں ایک واضح تضاد ملتا ہے ۔ وہ رطوبات اولی کو جو جگر میں بنتی ہیں اخلاط کہتا ہے لیکن یہ واضح نہیں کرتا کہ عروق دمویہ میں جو رطوبت ہے اس پر اخلاط کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو اخلاط میں شامل سمجھتا ہے بلکہ وہی عین اخلاط ہیں، کیونکہ عروق شعریہ میں محصور رطوبت کو وہ رطوبت ثانیہ کی ایک قسم قرار دیتا ہے ۔

لیکن ابن سینا نے جہاں اخلاط کی قسموں سے بحث کی ہے وہاں اس نے رطوبات فضولہ (پیشاب وحیض وغیرہ) کو جو اس کی تقسیم کے مطابق رطوبت ثانیہ کی ایک قسم ہے، اخلاط ردی قرار دیا ہے ۔ یہ ایک کھلا ہوا تضاد بیان ہے ۔ اگر رطوبات فضولہ خواہ ردی ہی سہی اخلاط میں شامل ہیں تو رطوبات غیر فضولہ پر اس کا اطلاق بدرجہ اولی ہوگا ۔

اخلاط حکیم علی حسین گیلانی کی نظر میں

حکیم علی گیلانی (متوفی ۱۰۱۶ھ) واحد طبیب ہے جس نے جملہ رطوبات بدن پر اخلاط کا اطلاق کیا ہے ۔ شرح قانون میں (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لکھتا ہے[1]:

"یہ ساری بحثیں اُمورِ طبیعیہ سے متعلق ہیں اور اخلاط جو اُمورِ طبیعیہ میں داخل ہیں، ساری اصطلاحی خلطی رطوبات پر مشتمل ہیں خواہ وہ فضول ہوں یا غیرِ فضول نیز یہ رطوبات ثانیہ پر بھی مشتمل ہیں۔"

اخلاط کے بارے میں عہدِ حاضر کے اطباء کا نقطۂ نظر

اخلاط کے بارے میں موجودہ دور کے اطباء کا وہی نقطۂ نظر ہے جو جالینوس اور ابن سینا کا تھا یعنی بدنی رطوبتیں[2] چار ہیں: خون، صفراء، بلغم اور سوداء۔ یہ چاروں رطوبتیں خون کے اندر مخلوط حالت میں پائی جاتی ہیں اور انہی کا نام اخلاط ہے۔ ان میں سے ہر خلط کی دو قسمیں ہیں، طبعی اور غیر طبعی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان خلطوں کی مختصر طور پر وضاحت کر دی جائے تاکہ قدیم خلطی تصور واضح ہو جائے۔

خلط دم

اس رطوبت کو کہتے ہیں جو عروقِ دمویہ کے اندر ہوتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) خون طبعی (۲) خون غیر طبعی

خون طبعی وہ ہے جو جگر میں پیدا ہوا اور بدن کے لیے نافع ہو۔ اس کے اوصاف درج ذیل ہیں:

(۱) سُرخ ہوتا ہے کیونکہ اس کی حرارت معتدل ہوتی ہے۔

(۲) اس میں بو نہیں ہوتی۔

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:

[1] حکیم علی حسین گیلانی عہدِ اکبر (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ء) کا ایک نامور طبیب گزرا ہے۔ اس نے عربی زبان میں شیخ الرئیس کی شہرۂ آفاق کتاب "القانون فی الطب" کی شرح ۵ جلدوں میں لکھی ہے [illegible] شرح ہے۔ پہلی مکمل شرح علامہ علاؤ الدین قرشی (متوفی ۱۲۸۸ء) نے لکھی ہے۔

[2] حکیم علی حسین گیلانی، شرح قانون ج ۱ ص ۱۱

[3] یہ بدنی رطوبتیں جسم میں مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں اور وہ مقامات یہ ہیں: عروقِ دمویہ (خون) مرارہ (صفراء) دماغ و صدر (بلغم) و طحال (سوداء)

(۳) ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔

(۴) معتدل القوام ہوتا ہے یعنی نہ صفراء کی طرح رقیق اور نہ سوداء کی طرح غلیظ۔ بدن انسان کے لیے اس کے منافع یہ ہیں:

- بدن کے لیے غذا ہے یعنی بدن ما یتحلل
- بدن کو گرم رکھتا ہے جس سے بدن خارجی برودت کے نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔
- روح کی سواری ہے یعنی خون ہی کے ذریعہ روح پھیپھڑوں سے سارے جسم میں پہنچتی ہے۔
- چہرے کے حسن و جمال کا باعث ہے۔
- طبیعت کو قوت اسی سے حاصل ہوتی ہے اسی لیے طبیعت اس کو کسی حال میں بھی چھوڑنا نہیں چاہتی اور یہی وجہ ہے کہ کسی دوا سے بھی خون کا استفراغ نہیں ہوتا۔

خون غیر طبیعی، وہ ہے جس میں خون طبعی کے مذکورہ بالا اوصاف نہ ہوں۔ اطباء نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) غیر طبعی بذاتہ (۲) غیر طبعی لغیرہ

غیر طبعی بذاتہ وہ خون ہے جس میں کسی دوسری خلط کی آمیزش کے بغیر مزاجی تغیر واقع ہونے سے اس کا طبعی مزاج معدوم ہو جاتے مثلاً اس میں برودت یا حرارت طبعی حالت سے زیادہ ہو جاتے۔ اور غیر طبعی لذاتہ وہ خون ہے جس کا طبعی مزاج کسی دوسری شے کے اختلاط سے متغیر ہو جاتے خواہ یہ اختلاط کسی بیرونی شے کے ذریعہ ہو مثلاً مائیت یا بلغم اور سوداء وغیرہ، اور خواہ وہ شے خون کے اندر ہی پیدا ہو جاتے مثلاً خون کا کچھ حصہ فاسد ہو جاتے جس سے لطیف حصہ صفراء اور کثیف حصہ سوداء میں تبدیل ہو جاتے۔

بلغم یہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل بُلْغَمْ ہے۔ عربی میں کثرت استعمال کی وجہ سے بسکون لام بَلْغَم ہو گیا۔ یونانی سے انگریزی میں جا کر PHLEGM بن گیا۔ یہ ایک سفید خلط ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں (۱) بلغم طبعی، (۲) بلغم غیر طبعی

بلغم طبعی وہ ہے جو خون سے قریب تر ہو یعنی جو آسانی کے ساتھ خون میں

تبدیل ہوسکے۔ اس کا مزاج سرد تر[1] ہے اور بے مزہ[2] ہوتا ہے۔ اس کے اوصاف درج ذیل ہیں۔

۱۔ رنگ سفید ہوتا ہے۔
۲۔ اس میں بو نہیں ہوتی۔

بدن انسان کے لیے اس کے منافع یہ ہیں:

۱۔ جب بدن میں خون کی کمی واقع ہوتی ہے تو یہ خون میں تبدیل ہو جاتا ہے۔
۲۔ اعضاء کو تر رکھتا ہے تاکہ وہ کثرت حرکات سے خشک نہ ہو جائیں۔
۳۔ یہ دماغ کے تغذیہ میں شریک ہوتا ہے۔
۴۔ یہ خون کے ساتھ مل کر اس میں لزوجت (لیس) پیدا کرتا ہے۔

بلغم غیر طبعی وہ ہے جس میں بلغم طبعی کے اوصاف نہ پائے جائیں یعنی اس کا مزہ اور قوام طبعی حالت پر موجود نہ ہوں۔ باعتبار قوام اس کی چھ قسمیں ہیں:

۱۔ بلغم مخاطی (ناک سے نکلنے والی رطوبت)
۲۔ بلغم خام، یہ رقیق و غلیظ کے درمیان میں ہوتا ہے اور اس میں مخاطی کی بہ نسبت برودت زیادہ ہوتی ہے۔
۳۔ بلغم مائی، یہ رقت میں پانی جیسا ہوتا ہے اور اس میں سب سے زیادہ برودت ہوتی ہے۔
۴۔ بلغم زجاجی، اس کا قوام پگھلی ہوئی کانچ کی طرح لیسدار ہوتا ہے۔ مزہ کا پھیکا ترش

---

[1] ابن سینا اور حکیم علی گیلانی بلغم طبعی کو بارد نہیں مانتے۔ شیخ نے حمیات قانون میں لکھا ہے کہ بلغم متعفن سے تپ محرقہ لاحق ہوتا ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ تپ محرقہ کا شمار گرم امراض میں ہوتا ہے۔ بعض اطباء کا خیال ہے کہ بلغم سفید کی بعض قسمیں بارد اور بعض حار ہیں۔ علامہ قرشی نے بلغم مالح (نمکین بلغم) کو گرم لکھا ہے۔ علی ابن عباس مجوسی اور ابوسہل مسیحی نے بلغم شیریں (بلغم حلو) کو گرم اقسام میں شمار کیا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیں، افادہ کبیر مفصل ص ۵۵، ۵۴)

[2] ابوسہل مسیحی اور مجوسی بلغم طبعی کو بے مزہ مانتے ہیں لیکن جالینوس اور ابن سینا کا خیال ہے کہ یہ شیریں ہوتا ہے۔ (تجدید طب، حکیم عبد اللطیف فلسفی ص ۱۸۶)

اور گاڑھے پھیکا ہوتا ہے۔

۵۔ بلغم جصی[1]: اس کا قوام نہایت غلیظ ہوتا ہے۔

مفاصل اور منافذ میں جب بلغم زیادہ دنوں تک گھر کے رہ جاتا ہے تو اس کے لطیف اجزاء تحلیل ہو جاتے ہیں اور اس طرح بلغم جصی پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ سفید ہوتا ہے۔

باعتبار مزہ بلغم غیر طبعی کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ بلغم مالح: یہ گرم و خشک ہوتا ہے۔

۲۔ بلغم حامض: یہ ترش [illegible] ہے اور سرد و خشک ہوتا ہے۔

۳۔ بلغم عفص: یہ کسیلا بلغم ہے اور سرد و خشک ہوتا ہے۔

۴۔ بلغم تفہ: یہ پھیکا بلغم ہے اور سرد اور کچا ہوتا ہے۔

۵۔ بلغم حلو: یہ مزہ میں شیریں ہوتا ہے اور باعتبار کیفیت گرم و تر۔

صفراء اس کی دو قسمیں ہیں (۱) صفراء طبعی (۲) صفراء غیر طبعی۔

صفراء طبعی وہ ہے جو خون کے ساتھ جگر میں پیدا ہوتا ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ وہ خون کا جھاگ (رغوہ) ہے۔ جگر میں پیدا ہونے والے صفراء کا ایک حصہ خون کے ساتھ مخلوط ہو کر عروق دمویہ میں چلا جاتا ہے اور دوسرا حصہ اوعیہ صفراوی (مرارہ) میں جمع ہوتا ہے۔ اس کے طبعی اوصاف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ رنگ زعفران کے ریشوں کی مانند ہوتا ہے (احمر ناصع)

۲۔ اجزائے ناریہ کے غلبہ کی وجہ سے اس میں ہلکا پن ہوتا ہے۔

۳۔ گرم ہوتا ہے[2]۔

صفراء طبعی کے منافع یہ ہیں:

۱۔ خون کو رقیق کر کے اسے تنگ [illegible] ۱۰۳ [illegible] ۱۰۴ [illegible] تنفیذ

---

[1] جصی: گچ، گلایا ہوا چونہ

[2] ابو سہل مسیحی نے صفراء طبعی کے اوصاف میں لکھا ہے کہ اس کا مزہ کڑوا، رنگ زرد اور باعتبار قوام لطیف و رقیق ہوتا ہے (مائۃ مسیحی ج ۱ صـ ۹۳)

۲۔ پھیپھڑوں وغیرہ اعضاء کا تغذیہ کرتا ہے۔
۳۔ اس کا ایک حصہ آنتوں میں آتا ہے اور اس پر جے ہوئے بلغم اور ثفل کو دھوتا ہے۔
۴۔ اجابت میں معاونت کرتا ہے یعنی آنتوں میں اخراج براز کی تحریک پیدا کرتا ہے۔
۵۔ بعض غذاؤں کے ہضم میں مدد دیتا ہے۔
۶۔ آنتوں کے کیڑوں کو اپنی حدت اور تلخی سے مار ڈالتا ہے۔

صفراء غیر طبعی وہ ہے جو طبعی حالت سے ہٹ جاتے خواہ اس کا سبب کوئی خارجی شے ہو جو اس سے ملاقی ہو کر اس میں تبدیلی پیدا کر دے اور خواہ خود صفراء کے اندر تغیر واقع ہو جو اسے طبعی حالت سے خارج کر دے۔ صفراء غیر طبعی کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ صفراء محیہ: وہ صفراء جس کے ساتھ گاڑھا بلغم مل جاتا ہے۔
۲۔ مرہ صفراء[1]: وہ صفراء جو انڈے کی زردی کے مانند ہوتا ہے۔
۳۔ صفراء محترقہ: وہ صفراء جس کے ساتھ جلا ہوا سوداء مل جاتا ہے۔
۴۔ صفراء کراثی و زنجاری[2]: وہ صفراء جو بالکل جل گیا ہو۔ چونکہ اس میں احتراق زیادہ ہوتا ہے اس لیے یہ جسم کے لیے ایک طرح سے زہر ہے۔

سوداء: یہ خون کا تلچھٹ ہے جو اس کے دوسرے اجزاء سے الگ ہو کر نیچے بیٹھ جاتا ہے اس کا مزاج سرد و خشک ہے[3]۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

---

[1] مرہ صفراء جگر میں پیدا ہوتا ہے لیکن معدہ میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔
[2] ابوسہل مسیحی نے لکھا ہے کہ صفراء کی یہ قسم معدہ میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کا رنگ سبز ہوتا ہے (اخضر اللون)، حدت اور لذع زیادہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس قسم کا صفراء بعض سبزیوں کے استعمال سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ صفراء کراثی اور زنجاری میں سبزی کا رنگ گہرا اور زنجاری میں کھلا اور صاف ہوتا ہے (مائۃ مسیحی ج ۱ ص ۲۲)
[3] مائۃ مسیحی ج ۱ ص ۱۵
اسی کے ساتھ مسیحی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی حرارت صفراء سے کم اور خون سے زیادہ ہوتی ہے۔ (ص ۱۵) بعض اطباء نے لکھا ہے کہ اس کا مزاج سرد و خشک ہے (اگلے صفحہ پر)

(۱) سوداء طبعی (۲) سوداء غیر طبعی۔

سوداء طبعی کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے اور اس کا مزہ حلاوت اور عفونت کے مابین ہوتا ہے۔ اس کے فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ خون کو گاڑھا بناتا ہے (تغلیظ قوام)
۲۔ ہڈی وغیرہ کے مانند بعض اعضاء کا تغذیہ کرتا ہے۔
۳۔ فم معدہ پر گر کر بھوک لگاتا ہے۔
۴۔ انقباض کو بڑھا کر معدے میں دیر تک غذا کو روکے رکھتا ہے تاکہ پوری طرح نضج پا لے۔

سوداء غیر طبعی وہ سوداء ہے جو کبھی سوداء طبعی کے متغیر ہو جانے اور کبھی کسی دوسری خلط کے احتراق سے پیدا ہوتا ہے۔

کیا خون اخلاط کا آمیزہ ہے؟

یہ بات کہ عروق دمویہ میں چاروں خلطیں مخلوط حالت میں پائی جاتی ہیں بہت اہم مسئلہ ہے۔ موجودہ دور میں یہ نظریہ سب سے زیادہ اعتراض کا نشانہ بنا ہے اور اسے غیر سائنسی بتایا جاتا ہے۔ لیکن اطباء کا اب بھی اصرار ہے کہ یہ نظریہ صحیح ہے۔ اس سلسلے میں ان کی طرف سے بطور تائید وہی دلائل پیش کیے جاتے ہیں جو اطباء متقدمین کی تحریروں میں موجود ہیں۔ پہلے ہم ان دلائل کو بیان کرتے ہیں اور پھر ان کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کریں گے۔

پیشاب کے رنگ سے استدلال:- اطباء کہتے ہیں کہ انسانی پیشاب باعتبار رنگ چار ہی صورتوں میں ملتا ہے یعنی سفید پانی کی طرح (بلغم) اترجی وناری (صفراء) احمر قانی (خون) سیاہ و نیلا (سوداء) اس سلسلے میں ابو سہل مسیحی نے لکھا ہے[1]:

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)
کیونکہ اس سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ بارد یابس ہوتی ہیں۔

[1] ابو سہل مسیحی، مائۃ مسیحی (کتاب البول) صـ ۲۷

"قارورہ کی مائیت کا رنگ اگا ہے سفید ہوتا ہے بلکہ اترجی کے رنگ پر زرد، اگا ہے آگ کے رنگ پر زرد سرخی کے درمیان، اگا ہے اس سے زیادہ سرخ زعفران کی پتی کے رنگ پر (زعفرانی) اگا ہے خون کے رنگ پر احمر قانی (کلیجی کا رنگ) اگا ہے سیاہ، اس خون کے رنگ پر جو سیاہی مائل ہوتا ہے۔"

پیشاب کا رنگ سفید اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ صفرا کا کوئی جزء نہیں مل سکا جو اسے رنگین بنا دیا کرتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بلغم کثیر مقدار میں اس کے ساتھ مل جایا کرتا ہے، اترجی رنگ اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ پیشاب کی مائیت کے ساتھ زیادہ مقدار میں صفرا مل جاتا ہے۔ یہی حال زعفرانی رنگ کا بھی ہے، احمر قانی (گہرا سرخ) خون کی آمیزش سے حاصل ہوتا ہے، سیاہ رنگ اس وجہ سے حاصل ہوتا ہے کہ صفرا میں شدید احتراق لاحق ہو جایا کرتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ سودا مل جاتا ہے۔

اس سلسلے میں علی بن ربن طبری قارورہ کے مختلف رنگوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے[1]:

"یہ سارے الوان چار مزاجات (اخلاط) ہی سے پیدا ہوتے ہیں، ان رنگوں میں سے پہلا درجہ سفیدی کا ہے اور آخری درجہ سیاہی کا۔ قارورہ میں سفیدی کا سبب خلط بارد یعنی بلغم ہے اور سیاہی کا سبب خون کا احتراق ہے (جس سے خون بدل کر سیاہ ہو جاتا ہے اور اسی قسم کے بدلے ہوئے سیاہ مادہ کو سودا کہا جاتا ہے) کیونکہ خون میں جو رطوبت ہوتی ہے جب وہ جل جاتی ہے (یعنی متغیر ہو جاتی ہے) تو سیاہ ہو جاتی ہے۔ قارورہ میں زردی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ تھوڑا سا مرۃ صفرا (صفرا ضعیف) مل جایا کرتا ہے اور ناریت (آتشی رنگ) اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ اس سے صفرا مل جاتا ہے (صفرا قوی) اسی طرح

---

[1] فردوس الحکمت ص ۳۲۹

قارورہ میں شوخ سرخی (زعفرانی سرخی) اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس میں قوی صفراء زیادہ مقدار میں مل جاتا ہے جیسا کہ اس قسم کی سرخی اس وقت نمودار ہوتی ہے جب تر لکڑی جلا کرتی ہے۔

قارورہ میں بھورا رنگ (اشقر) صفرا مناریہ سے حاصل ہوتا ہے جو پہلے سے زیادہ قوی ہوتا ہے ... باقی سارے رنگ انہی الوان کی باہمی آمیزش سے حاصل ہوا کرتے ہیں۔"

قارورہ کے الوان پر بحث کرتے ہوتے ابن سینا نے ان کے درجات قائم کیے ہیں۔ سرخی کے درجات کے بیان کے بعد زرد اور سرخ طبقات کے درمیان تقابل کرتے ہوئے لکھتا ہے[1]:

"قارورہ میں جب کبھی زعفرانیت (شوخ زردی) نمودار ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ صفراء غالب ہے اور جب کبھی کلیجی کی مانند سیاہی مائل سرخی نمودار ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ خون غالب ہے۔"

بدن انسان کے مختلف رنگ اخلاط اربعہ کے ثبوت میں دوسری دلیل کے طور پر انسانی جسم کے رنگوں کو پیش کیا جاتا ہے جو حسن اتفاق سے چار ہوتے ہیں یعنی سفید، پیلا، سرخ اور سیاہ۔ دنیا کی تمام اقوام رنگ کے اعتبار سے انہی چار خانوں میں منقسم ہیں، اقوام مغرب (سفید رنگ) اقوام چین و جاپان وغیرہ (پیلا رنگ) اقوام ترکستان و افغانستان وغیرہ (سرخ) اور اقوام افریقہ (سیاہ رنگ) یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اقوام عالم کے رنگ مختلف کیوں ہیں؟ اس سلسلے میں ابوالحسن علی بن ربن طبری لکھتا ہے[2]:

"بدن انسان کے مختلف رنگ کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے حقیقی اسباب یہ ہیں کہ جنین کی پیدائش کے وقت چاروں مزاجات (اخلاط) میں سے جو مزاج یعنی خلط غالب ہوتی ہے اور جو ظاہر بدن (جلد) کی طرف

---

[1] القانون ج ۱ ص ۲۱۰

[2] فردوس الحکمت ص ۵۱

انصباب پائی ہے اس کے رنگ سے بدن رنگین ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جس شخص پر صفرا غالب ہوتا ہے وہ زرد ہوتا ہے اور جس شخص پر سودا غالب ہوتا ہے وہ سیاہ، اسی طرح خون اور بلغم اپنے اپنے رنگ میں جسم کو رنگ دیا کرتے ہیں۔"

خون حیض سے استدلال علی بن ربن طبری نے خون حیض سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ خون میں چار رنگ کے اخلاط پائے جاتے ہیں، لکھتا ہے[1]:

" جو خون رحم سے خارج ہوتا ہے، یہ معلوم کرنے کے لیے رحم پر کس خلط کا غلبہ ہے، اس خارج ہونے والے خون کے رنگ سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ فم رحم میں کتاں (یا ململ) کا ایک پاک وصاف کپڑا (ٹکڑا) رکھا جائے اور رات بھر اسے چھوڑ دیا جائے پھر نکال کر اسے سایہ میں خشک کر دیا جائے اگر وہ کپڑا زردی مائل ہے تو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ صفرا کو غلبہ حاصل ہے۔ اگر وہ کپڑا سفیدی مائل ہے تو سمجھنا چاہیے کہ بلغم غالب ہے اور اگر وہ سرخی مائل ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خون غالب ہے۔"[2]

خون فصد سے استدلال اطباء کے نزدیک یہ ایک علم دلیل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک خون رگوں کے اندر رہتا ہے اس میں شامل رطوبتیں الگ الگ ظاہر نہیں ہوتیں لیکن جیسے ہی یہ رگوں سے باہر آتا ہے اس کے مخلوط اجزاء ظاہر ہوجاتے ہیں۔ چونکہ فصد طب یونانی میں ایک معروف طریقہ علاج ہے اس لیے اطباء نے بکثرت مواقع پر اس کا مشاہدہ کیا ہے اس اعتبار سے یہ ایک مشاہداتی دلیل کی حیثیت رکھتی ہے[3]۔ ابو سہل مسیحی نے لکھا ہے[4]:

---

[1] فردوس الحکمۃ باب ۱۸ ص ۲۷۹

[2] جدید طبی تحقیقات سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

[3] مائۃ مسیحی، ج ۱ ص ۹۶

"یہی وجہ ہے کہ جب خون (فصد وغیرہ کے ذریعہ) رگوں سے خارج کیا جاتا ہے اور اسے ایک عرصے تک (کسی ظرف) میں چھوڑ دیا جاتا ہے تو خون سے اخلاط جدا ہو جاتے ہیں، خلط سیاہ نیچے ہوتی ہے، بلغم اس کے اوپر، خون اس کے اوپر اور زرد خلط اس کے اوپر (یعنی سب سے اوپر صفرا اور سب سے نیچے سودا ہوتا ہے)

آگے مزید لکھتا ہے[1]:

"خون میں ایک چیز زرد آب (آب خون) جیسی پائی جاتی ہے جو اس پانی کے مانند ہے جو دودھ میں پایا جاتا ہے[2] (اور جو دودھ کے چھنے کے بعد اس سے الگ ہو جاتا ہے) اس کے علاوہ اس میں ایک چیز ثقل اور گاد کے مانند پائی جاتی ہے (مراد خون کا منجمد لوتھڑا) جس کی نظیر دودھ میں پنیر بنتے[3] گا ہے خون میں جھوٹ (دھاگے) پائے جاتے ہیں یعنی اس کی بالائی سطح پر ایک باریک سفید چیز (تیرتی ہوئی) نظر آتی ہے[4]۔ اور بسا اوقات ایک غلیظ چیز تلے میں بیٹھ جاتی ہے[5]"

اس سلسلے میں حکیم علی حسین گیلانی نے شرح قانون میں لکھا ہے[6]:

"فصد کے ذریعہ جو خون رگوں سے خارج کیا جاتا ہے (اور اسے ایک مدت کے لیے کسی ظرف میں چھوڑ دیا جاتا ہے) اس کا رغوہ (جھاگ) صفراء ہے (یعنی اس کا رقیق و لطیف حصّہ جو زردی مائل سیال کی صورت میں ہوتا ہے صفرا کہلاتا ہے) اس لطیف حصے کی مقدار

---

[1] مائۃ مسیحی بحوالہ کتاب الاخلاط صـ۱۹۰
[2] صفراء
[3] خون
[4] بلغم
[5] سوداء
[6] شرح قانون صـ۱۱۵ بحوالہ کتاب الاخلاط صـ۱۹۰

خون سے ظاہر ہے (جیسے ہوئے لوتھڑے کی صورت میں ہوتا ہے اور علقہ کہلاتا ہے) اور جب فصد کا خون گرم پانی میں لیا جاتا ہے تو مذکورہ بردو اجسام کے علاوہ) دو اور اجسام بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک سفید جسم انڈے کی سفیدی کے مانند اور دوسرا سیاہ غلیظ جسم جو تہ میں بیٹھ جاتا ہے اور جس کی سیاہی دوات کی سیاہی کے مانند ہوتی ہے۔"

ادویہ سے استدلال جب ہم مسہلات، مقیات، مدرات بول، مدرات حیض، معرقات اور منفثات بلغم وغیرہ ادویہ استعمال کرتے ہیں تو مختلف اعضاء میں اخراج فضلات کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور اس تحریک کے نتیجے میں اعضاء جو کچھ خارج کرتے ہیں وہ یقیناً اسی خون سے لے کر خارج کیا کرتے ہیں جو عروق کے اندر موجود ہوتا ہے۔ یہ فضلات کبھی بذریعہ اسہال، کبھی بذریعہ بول اور کبھی بذریعہ عرق (پسینہ) خارج ہوتے ہیں اس وقت جب مسہلات یا مدرات یا معرقات کا استعمال کرایا جاتا ہے۔ لیکن یہ فضلات جو ان ذرائع سے خارج ہوتے ہیں باعتبار ماہیت ان کا یکساں ہونا ضروری نہیں ہے، کسی ذریعہ سے خون کا کوئی جزو اور کسی دوسرے ذریعہ سے کوئی اور جزء خارج ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ایک مسہل سے جس رنگ ڈھنگ کے دست آتے ہیں دوسری دوا مسہل سے اس سے مختلف رنگ ڈھنگ کے دست آتے ہیں مثلاً سفید، سیاہ، زرد، سبز اور سرخ وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مسہل دوا میں کسی خاص خلط کے خارج کرنے کی خاصیت اور قابلیت ہوتی ہے اس کے استعمال سے وہی خلط خارج ہوتی ہے مثلاً

لے یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوائے مسہل کیوں عروق کے اندر موجود خلطوں ہی کو خارج کرتی ہے، دوسرے مقامات، بدن میں جو خلطیں پائی جاتی ہیں وہ اس مسہل سے کیوں خارج نہیں ہوتیں؟

اگر مسہل بلغم ادویہ دی گئی ہیں تو لازماً دستوں کی راہ سفید فضلات ہی خارج ہوں گے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خون کے اندر ایک ہی قسم کی رطوبت نہیں پائی جاتی ہے بلکہ وہ ایک سے زیادہ رطوبات کا آمیزہ ہے۔

یہ تمیز اخلاط کبھی کسی دوا کے بغیر از خود نمودار ہوتا ہے چنانچہ بول و براز کے ساتھ بسا اوقات ایسے مواد خارج ہوتے ہیں جو عام حالات میں خارج ہونے والے مواد سے مختلف ہوتے ہیں مثلاً پاخانے کے ساتھ گاہے سفید، گاہے زرد و سبز اور گاہے سرخ و سیاہ رنگ کی رطوبات خارج ہوتی ہیں۔ اسی طرح بول کے ساتھ گاہے انڈے کی سفیدی جیسا مواد، گاہے زرد، گاہے سرخ اور گاہے سیاہ رنگ کا مواد خارج ہوا کرتا ہے۔ یہی صورت بسا اوقات حیض و نفاس اور پسینہ اور تھوک کے ساتھ پیش آتی ہے اور ان کے ساتھ نوع بہ نوع کی چیزیں خارج ہوا کرتی ہیں۔

عروق سے اخلاط کا اس طور پر جدا ہو کر خارج ہونا طبی اصطلاح میں تمیز اخلاط بالذات اور اوّل الذکر صورت تمیز اخلاط بالادویہ کہلاتی ہے۔

تولد جنین سے استدلال جنین کے بنانے میں دو چیزیں حصہ لیتی ہیں، ایک منی اور دوسری خون حیض۔ یہ دونوں چیزیں مختلف الماہیت اجزاء کا مجموعہ ہیں جو اس خون سے حاصل ہوتی ہیں جو عروق میں بھرا رہتا ہے[1]۔ اگر خون مختلف الماہیت اجزاء کا مجموعہ نہ ہوتا تو یہ کیوں کر ممکن ہوتا کہ اس سے ایسی چیزیں بن سکیں جن کے اندر مختلف الخواص اجزاء موجود ہوں۔

دودھ سے استدلال چونکہ دودھ اسی خون سے بنتا ہے جو عروق کے اندر پایا جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ دودھ مختلف الخواص اجزاء سے مرکب ہے اور انھیں جدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خون بھی مختلف الخواص اجزاء کا مجموعہ ہے جسے اخلاط کہا جاتا ہے اور اس کے اجزاء بھی جدا کیے جا سکتے ہیں۔ ابو سہل مسیحی نے دودھ کی خون سے

---

[1] مائۃ مسیحی، بحر الکتاب الاخلاط ص ۷۷

مشابہت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے[1]:

"دودھ جو بچہ کی غذا ہے اس خلط سے مشابہ ہے جو عروق میں محصور ہوتی ہے اور جو چاروں اخلاط سے مرکب ہوتی ہے۔ چنانچہ دودھ میں ایک چیز پانی جیسی ہوتی ہے (جس کو ماء الجبن کہا جاتا ہے) ایک غلیظ چیز ہوتی ہے (جس کو جبن یا پنیر کہا جاتا ہے)[2] یہ ساری چیزیں دودھ میں ملی جلی ہوتی ہیں اور جب ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ جدا ہو جاتی ہے۔"

جدید تحقیقات سے استدلال

اطباء نے لکھا ہے کہ اگر فصد کے خون کو کسی برتن میں ایک عرصہ کے لیے چھوڑ دیا جاتے تو اس کا جھاگ جو رقیق و لطیف زردی مائل سیال کی شکل میں ہوتا ہے، صفراء ہے جو خون سے بالکل الگ ہوتا ہے اور جب فصد کے خون کو گرم پانی میں لیا جاتا ہے تو مذکورہ دو اجسام کے علاوہ دو اور جسم بھی ظاہر ہوتے ہیں، ایک سفید جسم جو بلغم ہے اور دوسرا تہ نشین سیاہ غلیظ جسم جو سوداء ہے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے
حکیم اشتیاق احمد نے خون کے ان اجزاء کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے[3]:

"اگر فصد کے خون کو کسی برتن میں لیا جاتے تو اس کا بھاری حصہ فوراً نیچے بیٹھنے لگتا ہے۔ اس تہ نشینی (SEDENENTATION) کی وجہ سے باعتبار غلظت خون میں چار تہیں (LAYERS) بن جاتی ہیں۔ سب سے اوپر کی تہ جو سب سے پتلی (THINNER) اور کریات (CORPUSCLES) سے خالی ہوتی ہے، صفراء کہلاتی ہے کیونکہ اس کا رنگ پیلا ہوتا ہے اس کے نیچے ایک دبیز تہ (DENSE LAYER)

---

[1] ماۃ مسیحی بحوالہ کتاب الاخلاط ص ۱۸۲ [2] ایک روغنی چیز بھی ہوتی ہے یعنی زبد (مکھن)

[3] HAKIM ISHTIAQUE AHMAD, INTRODUCTION TO AL-UMURAL TABI'IYA, P.100

ہوتی ہے اور اس میں بھی کریات نہیں ہوتے اور یہ بلغم ہے کیونکہ اس کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ اس کے نیچے مقابلۃً زیادہ دبیز (HEAVIER LAYER) ہوتی ہے جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور اس میں کریات ہوتے ہیں اور یہ خون ہے۔ اور سب سے نچلی تہ جو سب سے زیادہ دبیز ہوتی ہے اور جس میں بھاری مرکبات (HEAVIER COMPOUNDS) اور تہ بہ تہ خالی از نسیم کریات (PACKED DEOXYGENATED RED BLOOD CORPUSCLES) ہوتے ہیں اور اس کا رنگ کالا سیاہی مائل ہوتا ہے اور یہ سوداء ہے۔"

اطباء کہتے ہیں کہ جدید فزیالوجی سے بھی خون کے متذکرہ اجزاء کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ ہیلی برٹن نے خون کی تعریف میں لکھا ہے[1]:

"خون ایک ایسا سیال واسطہ (FLUID MEDIUM) ہے جس کے ذریعہ جسم کے تمام انسجہ (TISSUES) براہ راست یا بالواسطہ تغذیہ حاصل کرتے ہیں اور جس کے ذریعہ وہ مواد (WASTE) جو انسجہ کے استحالہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں اور جسم کے لیے غیر مفید ہوتے ہیں، اعضاء نافضہ (EXCRETARY ORGANS) تک پہنچا دیے جاتے ہیں۔

یہ ایک قدرے لیسدار رطوبت (VISCID FLUID) ہے اور انسان اور ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے تمام حیوانات میں (دو جانوروں کو چھوڑ کر) رنگ میں سرخ ہوا کرتی ہے۔

یہ ایک زردی مائل رطوبت پر مشتمل ہوا کرتا ہے جسے سلالہ (PLASMA) یا سیال دموی (LIQOUR SANGUINUS) کہا جاتا ہے اور جس میں بیشمار خون کے دانے، جسمات دمویہ (BLOOD

---

[1] HALLIBURTON'S PHYSIOLOGY ED.17, P.467

بحوالہ افادۂ کبیر مفصل ص ۱۸۷، ۱۸۸

(CORPUSCLES) تیرتے رہتے ہیں اور ان میں سے بیشتر دانے رنگین ہوتے ہیں اور ان کی موجودگی کی وجہ سے خون کی رنگت سرخ ہوتی ہے۔ سرخ دانوں کے ساتھ ساتھ بے رنگ (یا سفید) دانوں کی بھی کچھ تعداد پائی جاتی ہے جنھیں صفیحات دمویہ (خون کے باریک باریک پرت: BLOOD PLATELETS) کہا جاتا ہے۔"

خون کے منجمد ہونے کے بعد کی کیفیات کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے:[1]

"طبقۂ بیضاء (BUFFY COAT) اس وقت نظر آتا ہے جب خون دھیرے دھیرے جمتا ہے جیسا کہ گھوڑوں کے خون میں ہوا کرتا ہے۔ خون کے سرخ دانے سفید دانوں کے مقابلے میں جلدی نیچے بیٹھ جاتے ہیں اور خون کے لوتھڑے (CLOT) کا بالائی طبقہ بیشتر لیفین (FIBRIN) اور سفید دانوں پر مشتمل ہوا کرتا ہے۔"

دلائل مذکورہ کا تنقیدی جائزہ

(۱) اطباء کی پہلی دلیل کا تعلق پیشاب کے مختلف الوان سے ہے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اطباء متقدمین جسم میں استحالہ کی صحیح نوعیت سے واقف نہ تھے ورنہ وہ یہ ہرگز نہ کہتے کہ پیشاب کے مختلف رنگوں کا سبب اخلاط ہیں۔

طبعی حالت میں پیشاب کے مختلف الوان کا تعلق دراصل استحالہ (METABOLISM) اور استحالی فضلات (METABOLIC WASTE PRODUCTS) سے ہے، اگر کسی شخص کا پیشاب سفید (STRAW COLOUR) ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے استحالہ کی رفتار (METABOLIC RATE) نارمل ہے اور اگر رنگ سفید کے بجائے زرد یا شوخ زرد ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استحالہ کی رفتار نارمل سے کچھ زیادہ ہے بالخصوص جگری استحالہ کی رفتار جس سے پیشاب میں بیلی روبن زیادہ مقدار میں خارج ہوتی ہے۔ موسم گرما میں پیشاب میں پانی مقدار کے کم ہو جانے سے بیلی روبن کے غلبہ کے سبب بھی پیشاب زرد

---

[1] HALLIBURTON'S PHYSIOLOGY, Ed.17, P.470

ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل کا تعلق انسان کی جلدی رنگت سے ہے۔ اس بارے میں بھی اطباء کی دلیل صحیح نہیں ہے۔ سرد ممالک کے لوگ اس لیے سفید رنگ کے نہیں ہوتے کہ ان کے جسم میں بلغم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر تمام لوگوں کے مزاج و طبائع یکساں یعنی بلغمی ہوتے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ان میں حار المزاج ہیں تو بارد المزاج بھی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ ان کو صرف بلغمی امراض لاحق ہوتے لیکن صورت واقعہ یہ ہے کہ ان کو ہر طرح کے امراض لاحق ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی جلدی رنگت کے اختلاف کا سبب وہ جین (GENES) میں جو ہر خلیے کے کروموزوم (CHROMOSOMES) میں پائے جاتے ہیں۔ ہر طرح کا جسمانی کیرکٹر جس میں جسم کی رنگت بھی داخل ہے انہی جین کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جغرافیائی حالات کا بھی اس میں دخل ہے۔

(۳) تیسری دلیل کا تعلق خون حیض سے ہے۔ یہ بھی عجیب و غریب استدلال ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ خون حیض سے آلودہ کپڑا یا روئی سفید رنگ کی بلے سرخ، زرد اور کالے رنگ بے شک مل سکتے ہیں اور اس کی وجہ خون کے قوام (CONSISTANCY) اور اس کے اجزائے ترکیبی کا فرق ہے نہ کہ اخلاط (صفراء، بلغم اور سوداء) کی مزعومہ شمولیت۔

(۴) چوتھی دلیل کا تعلق خون فصد سے ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ خون میں جسم سے باہر آنے کے بعد بعض کیمیاوی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اس لیے ہم محض اس کی ظاہری شکل کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں۔

اطباء نے لکھا ہے کہ جب فصد کے خون کو گرم پانی کے کسی ظرف میں لیا جاتا ہے اور اسے کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس میں انڈے کی سفیدی جیسی ایک چیز ظاہر ہوتی ہے اور یہ بلغم ہے۔ لیکن یہ بلغم نہیں بلکہ

لہ ابن سینا، القانون ج ۱ ص ۵

پلازمائی پروٹین ہے جسے غلطی سے بلغم سمجھ لیا گیا۔

(۴) چوتھی دلیل کا تعلق ادویۂ مسہلہ سے ہے۔ اطباء کا یہ خیال کہ جس مسہل خلط دوا کو دیا جاتا ہے اس سے صرف وہی خلط دستوں میں خارج ہوتی ہے صحیح نہیں ہے۔ ابو سہل مسیحی نے لکھا ہے کہ پہلے وہ خلط خارج ہوتی ہے جس کی دوا دی جاتی ہے اور اس کے بعد دوسری خلطیں بھی خارج ہوتی ہیں[1]۔

اطباء تسلیم کرتے ہیں کہ کسی دوا سے بھی خلط دم کا استفراغ ممکن نہیں ہے۔ جہاں تک سوداء کا معاملہ ہے تو وہ کوئی موجود بالذات خلط نہیں بلکہ بلغم و صفراء کے اندر شدید احتراق لاحق ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اب صرف دو خلطیں رہ جاتی ہیں یعنی بلغم اور صفراء۔ بلاشبہ معدے میں یہ دونوں خلطیں رطوبات موجود ہوتی ہیں۔ صفراء جگر (مرارہ) سے آتا ہے اور بلغم کچی غذا (UNDIGESTED FOOD) ہے۔ اطباء نے بھی لکھا ہے کہ کبھی بلغم معدہ اور امعاء میں بھی بنتا ہے جب کہ غذا مکمل طور پر ہضم نہیں ہوتی[2]۔ اس لیے دواء مسہل کے استعمال سے صرف یہی دونوں خلطیں خارج ہو سکتی ہیں اور بالعموم دستوں میں خارج ہوتی ہیں۔ بغیر کسی دوا کے استعمال کے بھی بسا اوقات ہرے اور سفید رنگ کے دست آجاتے ہیں جیسا کہ بچوں میں اور یرقان (اصفر) کے مریضوں میں دیکھا جاتا ہے۔

لیکن ادویۂ مسہلہ کے ذریعہ دستوں کی راہ خلط دم اور خلط سوداء کا اخراج ناممکن ہے۔ خون اور سوداء آمیز دست صرف اسی صورت میں آسکتے ہیں جب ادویۂ مستعملہ کی گرمی یا کسی اور سبب سے معدے یا امعاء کی عروق (دمویہ و شعریہ) کے منہ کھل جائیں یا ان کی شدید حرارت سے رطوبات کے رنگ متغیر ہو کر سیاہ ہو جائیں جسے طب کی اصطلاح میں احتراق کہا جاتا ہے۔ ان وجوہ سے یہ کہنا

---

[1] ابو سہل مسیحی، مائۃ مسیحی ج ۱ ص ۱۹

[2] ایضاً ص ۴۳

مسیحی کے الفاظ ہیں: والبلغم ... یتکون فی المعدۃ عن الغذاء اذا لم یستکم نضجہ وانہضامہ ویتکون فی الامعاء والکبد ایضا عند قصور الہضم۔

کہ جس خلط کی مسہل دوا دی جاتی ہے اس سے اسی قسم کے دست آتے ہیں۔ بالکل بے اصل و بے بنیاد بات ہے۔ اور خلط مطلوب کا عروق و مویہ سے نکل کر دستوں کے ذریعہ خارج ہونا تو اور بھی ناقابل قیاس ہے۔

(۵) پانچویں دلیل کا تعلق تولد جنین سے ہے۔ یہ محض ایک قیاسی دلیل ہے جنین میں مختلف الخواص اجزاء سے مرکب ہوتا ہے اس کی وجہ اخلاط اربعہ نہیں بلکہ وہ جنین ہیں جو جرثومۂ حیات (SPERMATOZOA) میں کروموسوم نام کے مادے کے اندر ایک حیرت انگیز نظام کے تحت مرتب حالت میں ہوتے ہیں۔ فی الواقع اطباء متقدمین منی کی واقعی حقیقت یعنی اس کے اجزائے ترکیبی سے بے خبر تھے یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں[1]

"اجزائے منی کے بارے میں گو انسانی معلومات قدرت کی دوسری بے شمار حقیقتوں کے ساتھ بہت ہی محدود اور صفر کے برابر ہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ منی مختلف مقامات (مثلاً خصیہ و اوعیۂ منی) میں نضج پاتی ہے اور ہر جگہ سے کچھ نہ کچھ خصوصیات حاصل کرتی ہے مگر کہاں سے کس قسم کے اجزاء حاصل کرتی ہے اور وہ اجزاء کن خواص کے حامل ہوتے ہیں، ہماری موجودہ معلومات اس کا پتہ چلانے سے قاصر ہے۔"

(۶) چھٹی دلیل کا تعلق دودھ سے ہے۔ اس میں کوئی ذرا نہیں کہ دودھ میں مختلف اجزاء پائے جاتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ خون کسی شے واحد کا نام نہیں بلکہ اس کی ترکیب میں بھی مختلف اجزاء شامل ہیں۔ لیکن یہاں مسئلہ کسی ایک رطوبت (سیال) کے کیمیاوی اجزائے ترکیبی کا نہیں بلکہ اس رطوبت یا دوسری مختلف الخواص رطوبات کی موجودگی کا ہے۔ اس اعتبار سے یہ تمثیل صحیح نہیں ہے۔

(۷) ساتویں دلیل کا تعلق خون کے بارے میں جدید تحقیقات سے ہے اس تحقیق سے سلالہ کی صورت میں صرف صفراء کا وجود ثابت ہوتا ہے کیونکہ سلالہ

---

[1] حکیم کبیر الدین، کتاب الاخلاط ص ۱۷۹

کی رنگت زرد ہوتی ہے لیکن اس سے بلغم اور سوداء کا وجود قطعاً ثابت نہیں ہوتا اس کے علاوہ اطباء نے بدن انسان میں اخلاط اربعہ کے جو منافع بتاتے ہیں اور جن امراض کی پیدائش کا ان کو سبب قرار دیا ہے ان کے پیش نظر یہ کہنا مشکل ہے کہ خون صفراء بلغم دراصل کریات حمراء سلالہ اور کریات بیضاء ہی کے دوسرے نام ہیں۔ دونوں کے افعال و منافع مختلف ہیں اور دونوں کے نام سے جو امراض منسوب ہیں وہ بھی حد درجہ مختلف ہیں[1]

مذکورہ بالا تنقیدی جائزے سے واضح ہو گیا کہ اطباء متقدمین و متاخرین نے عروق و موبہ میں اخلاط اربعہ کی موجودگی کے جو دلائل دیئے ہیں وہ تمام تر قیاسی ہیں اور ان سے کسی طرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خون اخلاط کا آمیزہ ہے۔

اخلاط میری نظر میں میرے نزدیک اخلاط کا اطلاق جملہ مفید رطوبات بدن پر ہوتا ہے جس میں عروق و موبہ کی سرخ رطوبت (خون) بھی داخل ہے۔ بدن کی جملہ رطوبات کی باعتبار رنگ تین قسمیں ہیں[2]:

---

[1] یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ خون میں جو مختلف قسم کے رنگ نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس میں مختلف رنگ کی رطوبات شامل ہیں بلکہ یہ اختلاف اس کے اجزائے ترکیبی کی وجہ سے ہے۔ مثلاً سلالۃ میں زردی کی وجہ بیلی روبن مادہ ہے، سرخی کریات حمراء کی وجہ سے اور سفیدی کا سبب کریات بیضاء ہیں لیکن یہ سفیدی اس وقت نظر آتی ہے جب کریات حمراء نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ خون کے لوتھڑے میں نیچے جو سیاہ رنگ کا مادہ نظر آتا ہے وہ سوداء نہیں بلکہ خالی از نسیم کریات حمراء ہوتے ہیں۔

[2] اطباء متقدمین نے رطوبات بدن کی تقسیم مختلف اعتبارات سے کی ہے مثلاً درجات کے اعتبار سے یعنی رطوبت اولی (عروق و موبہ کی رطوبت) اور رطوبت ثانیہ مؤخر الذکر میں رطوبت محصورہ، رطوبت طلیہ، رطوبت قریبہ بانعقاد اور رطوبت منویہ شامل ہیں۔ یہ شیخ الرئیس کی تقسیم ہے۔ دوسری تقسیم جگہ کے اعتبار سے ہے یعنی رطوبت اصطقسیہ، رطوبات عروق اور رطوبات تجاویف۔ یہ ابو سہل مسیحی کی تقسیم ہے۔ تیسری تقسیم کیفیات کے اعتبار سے ہے یعنی رطوبات لطیفہ و رطوبات کثیفہ۔

(۱) سرخ رنگ کی رطوبت جو عروق دمویہ میں پائی جاتی ہے۔
(۲) سفید یا بے رنگ رطوبتیں جو تجاویف اعضاء اور دیگر جوفوں میں پائی جاتی ہیں۔
(۳) زرد رنگ کی رطوبت جو جگر میں GALL BLADDER (مرارہ) کے اندر ہوتی ہے۔

پہلی رطوبت کا نام خون، دوسری کا بلغم اور تیسری کا صفراء ہے۔[1] ان تینوں رطوبات کا وجود بدن میں ثابت ہے۔[2] ان کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ طب جدید کے حاملین بھی ان کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ اخلاط ان رطوبات کو کہتے ہیں جو خون میں مخلوط حالت میں پائی جاتی ہیں تو عہد حاضر کے اصحاب علم اس کو

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)
چوتھی تقسیم طبعی اور غیر طبعی ہونے کے اعتبار سے ہے یعنی رطوبات طبیعیہ (عروق دمویہ کی رطوبات) اور رطوبات غیر طبیعیہ (وہ رطوبت جس میں کوئی دوسری رطوبت شامل ہو جاتی مثلاً بلغم میں صفراء مل جاتے)، پانچویں تقسیم رنگ کے اعتبار سے ہے جو ہم نے اختیار کی ہے لیکن اس میں اور قدیم تقسیم میں فرق ہے۔

[1] بعض دوسرے رنگ کی رطوبتیں بھی اس میں شامل ہیں۔

[2] ہم نے سوداء کو اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ ہمارے نزدیک اس خلط کا جسم میں کوئی وجود نہیں یعنی بالذات وجود۔ البتہ یہ دیکھا گیا ہے کہ حرارت کی زیادتی یا کسی اور سبب سے کبھی خون کا رنگ سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت صفراء اور بلغم میں بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ خون اور بلغم و صفراء کی اس غیر طبعی حالت کو سوداء کہا جا سکتا ہے۔

[3] جب ان رطوبات ثلاثہ میں سے کسی رطوبت کے طبعی امتزاج میں کسی سبب سے فرق آجاتا ہے تو اس سے بدن انسان میں بیماریاں پیدا ہوتی ہے یعنی خلطی امراض، خلطی کا لفظ میں نے اس وجہ سے استعمال کیا ہے کہ غیر خلطی بیماریاں اس سے الگ ہو جائیں یعنی عضوی اور نفسی بیماریاں۔ ان امور پر تفصیلی گفتگو آپ کو اس کتاب کے دوسرے حصے (جزء عملی) میں ملے گی۔

ہرگز تسلیم نہ کریں گے کیونکہ ان کا تجرباتی مشاہدہ ممکن نہیں ہے۔ اس مختصر وضاحت کے بعد ان رطوبات ثلاثہ کو جدید معلومات کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

خلط دم جدید تحقیق کے مطابق خون دو جزء پر مشتمل ہوتا ہے (۱) سائل دموی (پلازما) (۲) کرّیات (کارپسلز) یہ سائل دموی میں تیرتے رہتے ہیں۔

سائل دموی: یہ کل خون کا ۵۵ فیصد ہوتا ہے اور اس میں درج ذیل اجزاء پائے جاتے ہیں:

(۱) پانی (۹۱-۹۲ فیصد)

(۲) غیر عضوی اور عضوی مرکبات (آرگینک وان آرگینک کمپاونڈز) ۸ سے ۹ فیصد غیر عضوی مرکبات میں سوڈیم، پوٹیشیم، میگنیشیم، فاسفورس، آئرن اور کاپر ہیں ۰.۹ فیصد ہوتے ہیں۔ عضوی مرکبات کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) لحمیات (پروٹین): سیرم البومن (ماءِ مصلی)، سیرم گلوبولن (کریّاتِ مصلی)، فائبرینوجن (مولد لیفین) وغیرہ

(۲) غیر لحمیی نائٹروجن: یوریا[1]، یورک ایسڈ[2]، زینتھین، ہائپوزینتھین، کریٹین، کریٹینین، امونیا اور رائبو ایسڈ،

(۳) شحمیات: معتدل شحم، فاسفولائپڈ، کولیسٹرال[3]، کولسٹرائیڈ،

(۴) شکریات: گلوکوز[4]

(۵) دیگر مرکبات: کیلشیم، سوڈیم، پوٹیشیم، کلورائڈ بحیثیت نمک طعام، فاسفورس بحیثیت غیر عضوی فاسفیٹ، ہارمونس، اجسام ضدیہ (اینٹی باڈیز) مختلف قسم کے

---

[1] ۲۵ ملی گرام فیصد ملی لیٹر کل خون

[2] ۳ ملی گرام فی صد

[3] ۱۵۴ ملی گرام فی صد

[4] ۸۰ سے ۱۲۰ ملی گرام فی صد

خامرات (انزائمس) وٹامن سی، آیوڈین (مائکروگرام فی صد ملی لیٹر)

(۷) رنگین مواد: بیل روبن (حمرۃ الصفراء) کیروٹین اور زنتھوفائیلین۔

کریات | کل خون کا ۴۵ فی صد ہوتے ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کریات حمراء (ریڈ بلڈ کارپسلز) مردوں میں اوسط ۵۰ لاکھ اور عورتوں میں ۴۵ لاکھ فی مکعب ملی میٹر۔

(۲) کریات بیضاء (وہائٹ بلڈ کارپسلز) ۹ سے ۸ ہزار فی مکعب ملی میٹر، یہ چار طرح کے ہوتے ہیں (۱) پالی مارف (۲) لمفوسائٹس (۳) ایزنوفل (۴) بیسوفل۔

(۳) صفیحات دمویہ (بلڈ پلیٹلیٹس)۔

خون کے منافع[1] | (۱) بدل ما یتحلل فراہم کرنا۔

(۲) خلیات کو آکسیجن پہنچانا اور کاربن ڈائی آکسائڈ کو جسم سے خارج کرنا۔

(۳) بدن کو جراثیم کے حملے سے بچانا۔

خلط بلغم | ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بلغم سے مراد بدن کی وہ رطوبتیں ہیں جو سفید رنگ کی ہوتی ہیں اور یہ درج ذیل ہیں:

۱۔ رطوبت اسطقسیہ (رطوبت جزیریہ) (INTRA CELLULAR FLUID)

۲۔ رطوبت تجاویف (TISSUE FLUID)

۳۔ رطوبت لمفاویہ (LYMPHATIC FLUID)

۴۔ رطوبت مخ نخاعی (CEREBRO SPINAL FLUID)

۵۔ رطوبت لعاب دہن (SALIVA)

۶۔ رطوبت غلاف القلب (PERICARDIAL FLUID)

---

[1] جب خون کے قوام، رنگ، بو اور مزے میں فرق آجاتا ہے تو وہ غیر طبعی خون کہلاتا ہے اور یہ بدن کے لیے مضرت رساں ثابت ہوتا ہے یعنی اس سے دموی امراض لاحق ہوتے ہیں۔

۷۔ رطوبت غشاء الریہ (PLEURAL FLUID)

۸۔ رطوبت باریطون (PERITONEAL FLUID)

۹۔ رطوبت منویہ (SEMINAL FLUID)

ان کے علاوہ بھی بہت سی بلغمی رطوبتیں بدن کے مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں اور ان کا شمار بھی اخلاط میں ہوگا۔

اس جگہ کل رطوبات بلغمی کی تشریح و توضیح ممکن نہیں ہے اس لیے ہم صرف رطوبت اُسطقسیہ، رطوبت تجاویف اور رطوبت ملفاویہ کے بارے میں کچھ بتائیں گے۔

رطوبت اُسطقسیہ[1] خلیہ کے دو بنیادی حصے ہوتے ہیں (۱) نواتِ خلیہ (NUCLEUS) (۲) رطوبت خلیہ (CYTOPLASM) اور ان دونوں کے مجموعہ کو پروٹوپلازم (مادۂ حیات) کہا جاتا ہے۔

خلیہ کی یہ رطوبت ایک جھلی میں ملفوف ہوتی ہے جسے غشاء الخلیہ (CYSTOPLASM) کہا جاتا ہے۔ یہ جھلی نہ صرف اس رطوبت کو گھیرے رہتی ہے بلکہ اس کے داخلی ماحول کو طبعی حالت پر قائم رکھنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ رطوبت تجاویف (EXTRA CELLUAR FLUID) کا تعلق اندرون خلیہ کی رطوبت سے اسی جھلی کے ذریعہ قائم رہتا ہے۔ رطوبت اُسطقسیہ میں درج ذیل چیزیں ملتی ہیں۔[2]

(۱) سوڈیم	10 m eq/L
(۲) پوٹیشیم	141 " "
(۳) میگنیشیم	1 " "

---

[1] یہ ابو سہل مسیحی کار کھا ہوا نام ہے۔ اطباء اس کو رطوبت غریزیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اسی رطوبت پر زندگی کا انحصار ہے۔ بعض اطباء نے اسے رطوبت جوہریہ بھی کہا ہے۔ لیکن اطباء متقدمین نے اس رطوبت کے افعال اور اجزائے ترکیبی پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے اور یہ ممکن بھی نہ تھا کیونکہ خوردبین کے بغیر اس کا مشاہدہ ممکن نہیں ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ خوردبین نہ ہوتے ہوئے بھی اطباء اس اہم رطوبت سے واقف تھے۔

[2] کلیات عصری صـ۱۵۲

(۴) میگنیشیم	58	" "
(۵) کلورائڈ	4	" "
(۶) بائی کاربونٹ	10	" "
(۷) فاسفیٹ	75	" "
(۸) سلفیٹ	2	" "
(۹) گلوکوز	0-20	mg o/o
(۱۰) محض لحمی	200	" "
(۱۱) کولسٹرال	2-95	gm o/o
(۱۲) فاسفولائپڈ		
(۱۳) معتدل شحم		
(۱۴) نسیم کا دباؤ	20	mm Hg
(۱۵) دخان کا دباؤ	50	" "
(۱۶) ردعمل	7 PH	

رطوبت اسطقسیہ کے اندر برقی خوردبینی مشاہدہ سے درج ذیل ذی حیات اجسام (BODIES) نظر آتے ہیں جن کے ملنے سے ایک پورا خلیہ وجود میں آتا ہے[۱]

(۱) پلازما ممبرین (غشاء الخلیہ)
(۲) انڈوپلازمک ریٹی کولم (شبکۃ الخلیہ)
(۳) گالگی اپریٹس (آلۂ گالگی)
(۴) میٹوکانڈریا[۲]
(۵) لائی سوسم[۳]

---

[۱] کلیات عمری ص ۱۰۳
[۲] یہ خلیے کے لیے پاور ہاؤس کا کام کرتا ہے۔
[۳] یہ چھوٹے چھوٹے بیگ کے مانند ہوتے ہیں جو طاقتور ہاضم رطوبات یعنی انزائمس سے بھرے ہوتے ہیں۔

(۶) رائی بوسوم[1]

(۷) سنٹروسوم (اجسام مرکزیہ)

رطوبت تجاویف یہ رطوبت خلیات کے درمیان جو خلائیں ہوتی ہیں ان کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ رطوبت خون کے پلازما سے انتشار (ڈی فیوزن) اور ترشح (فلٹریشن) کے عمل سے بنتی ہے۔ اس میں فضلات ردیہ زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں۔ شکر، نمکیات اور پانی کی مقدار تقریباً وہی ہوتی ہے جو خون میں ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ معدنیاتی اور عضوی اجزاء جو اس میں پائے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سوڈیم	142 m eq/L
(۲) پوٹاشیم	5 " "
(۳) کیلشیم	5 " "
(۴) میگنیشیم	3 " "
(۵) کلورائڈ	103 " "
(۶) بائی کاربونیٹ	28 " "
(۷) فاسفیٹ	4 " "
(۸) سلفیٹ	1 " "
(۹) گلوکوز	90 mg o/o
(۱۰) حمض لمی	30 " "
(۱۱) کولسٹرال (۱۲) فاسفولائیڈ (۱۳) معتدشحم	0 .5 gm o/o
(۱۴) نسیم کا دباؤ	35 mm Hg
(۱۵) دخان کا دباؤ	46 " "

---

[1] یہ خلیے کی فیکٹری ہے جس میں پروٹین بنتی ہے۔

(۱۹) ردِ عمل PH 7.4

اجمال خلیاتی رطوبات میں ہر وقت پانی، نمک اور اجزاء غذائیہ کا ایک بڑا ذخیرہ جمع رہتا ہے۔ اس سے عضوی خلیات اپنا فعل بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رکھتے ہیں۔ رطوبت تجاویف اور رطوبت اُسطقسیہ کے درمیان غشاء الخلیہ کے توسط سے غذائی اجزاء اور تنفیم و دخان کا تبادلہ کس طرح عمل میں آتا ہے اور ان رطوبات کا ایک مخصوص تناسب کس طرح قائم رہتا ہے اس کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے۔

ان دونوں رطوبات کی ترکیب یعنی مائی حجم (WATER VOLUME) نمکیاتی اجتماع (SALT CONCENTRATION) اور کھاری ردِ عمل (ALKALINE REACTION) کو جو چیز طبعی حالت میں رکھتی ہے وہ جسم کا فعلیاتی نظام (PHYSIOLOGICAL MECHANISM) ہے۔ غشاء الخلیہ جو دونوں رطوبات کو تقسیم کرتی ہے قابل نفوذ ہے البتہ خلیے کی مختلف قسموں میں یہ صلاحیت نفوذ مختلف ہوتی ہے۔

غشاء الخلیہ کے اس مخصوص نفوذ (SELECTIVE PERMEABILITY) کے زیر اثر پانی اور اس میں محلول سادہ عضوی مرکبات (SIMPLE ORGANIC COMPOUNDS) بآسانی ایک طرف سے دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ غشاء الخلیہ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتی لیکن محلول غیر عضوی مرکبات (INORGANIC SALT) کے انتقال میں یہ ضرور رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور پیچیدہ عضوی مرکبات (COMPLEX ORGANIC COMPOUNDS) کو تو کسی حال میں بھی ایک طرف سے دوسری طرف آنے اور جانے کی اجازت نہیں دیتی۔

غشاء الخلیہ کی اس مخصوص صلاحیت نفوذ کی وجہ سے دونوں رطوبات کے درمیان سادہ عضوی مرکبات کے مائی محلول (AQUOUS SOLUTION) کا مسلسل تبادلہ ہوتا رہتا ہے

خلیات کے رطوبی اجزاء (FLUID CONTENTS) عام طور پر یکساں حالت میں رہتے ہیں اور ان کی مقدار میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خلیہ

کی زندگی کا قیام مشکل ہوتا۔ کبھی رطوبت کی کثرت سے غیر معمولی طور پر پھیل کر اور کبھی رطوبت کی کمی سے بالکل سکڑ کر تباہ ہو جاتا۔ خلیاتی رطوبت کا توازن خلیے کی زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔

خلیات کے اندر اور باہر رطوبات کی آمدورفت برابر جاری رہتی ہے۔ چنانچہ اندرونی بہاؤ (INFLOW) کے ذریعہ رطوبت بیرون خلیہ سے غذائی اجزاء (NUTRIENT MATERIALS) اور آکسیجن اندر آتے ہیں اور بیرونی بہاؤ (OUT FLOW) خلیہ کے اندر بنے ہوتے مادے اور فضلے مثلاً کاربن ڈائی آکسائیڈ وغیرہ کو جو افعال خلیہ کے نتیجے میں بنتے ہیں، رطوبت بیرون خلیہ میں منتقل کر دیتا ہے۔

خلیہ کے بنیادی وظیفہ (VITAL ACTIVITY) کے نتیجے میں جو کیمیاوی ردعمل واقع ہوتے ہیں انھیں اصطلاحاً خلیاتی استحالہ (CELLULAR METABOLISM) کہا جاتا ہے اور ان کی دو قسمیں ہیں، کونی استحالہ (CATABOLIC REACTION) اور فسادی استحالہ (ANABOLIC REACTION)

جب خلیاتی استحالہ اپنی طبعی رفتار و خصوصیت کے ساتھ جاری رہتا ہے تو جسم کی ساخت اور اس کے افعال نارمل ہوتے ہیں اور اسی کا نام صحت کی فعلیاتی حالت (PHYSIOLOGICAL CONDITION OF HEALTH) ہے۔ لیکن جس وقت خلیاتی استحالہ کی رفتار و خصوصیت غیر طبعی ہو جاتی ہے تو جسم کی ساخت و افعال میں بھی لازماً تغیر آتا ہے اور اسی کو مرضیاتی حالت (PATHALOGICAL CONDITION OF DISEASE) کہا جاتا ہے۔

خلیاتی استحالہ کی طبعی رفتار و خصوصیت کی بقا کا انحصار اس بات پر ہے کہ دونوں خلیاتی رطوبات کے اجزائے ترکیبی اپنی طبعی حالت پر ہوں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب خلیاتی رطوبت کے تیزابیت کے حامل اجزاء (ACID-BASED CONSTITUENTS) اس تناسب میں ہوں کہ ہلکی کھاری پن (LIGHT ALKALINITY) کو ایک متعین درجے پر باقی رکھ سکیں، کیونکہ اسی نقطۂ ردعمل (REACTION POINT) پر خلیے اپنے استحالاتی ردعمل کو

قائم رکھ سکتے ہیں۔

خلیاتی رطوبت کی ترکیب کو جو خلیاتی میکنزم برقرار رکھتا ہے۔ وہ سیال دموی (بلڈ فلوئڈ) ہے جو غیر عضوی ترکیب کے اعتبار سے رطوبت بیرون خلیہ سے مشابہت رکھتا ہے یعنی دونوں کی غیر عضوی ترکیب ایک ہی ہے۔ مثلاً خلیہ سے جس قدر رطوبت نفوذ کرکے باہر جاتی ہے اسی قدر باہر سے اندر آجاتی ہے اور اسی طرح دونوں رطوبات کی طبعی مقدار برقرار رہتی ہے۔

تمام رطوبات میں مساوات قائم رکھنے میں ایک اہم مقام اس مخالف عمل (OPPOSITE REACTION) کو بھی حاصل ہے جو عروق شعریہ کے اندر موجود دباؤ (HYDROSTATIC PRESSURE) اور دموی لحمین (بلڈ پروٹینز) کے انجذابی دباؤ (OSMOTIC PRESSURE) سے پیدا ہوتا ہے۔ اول الذکر دباؤ عروق شعریہ سے خون کو باہر دھکیلتا ہے اور موخر الذکر دباؤ دموی رطوبت (بلڈ فلوئڈ) کو اندر روک کے رکھتا ہے۔

رطوبات کے اس تبادلے سے خون نہ صرف خلیے کو غذائی مواد اور آکسیجن مہیا کرتا ہے اور یہاں کے فضلات (WASTE PRODUCTS) کو رطوبت بیرون خلیہ کے واسطے سے خارج کرتا ہے بلکہ اس کے ذریعہ دونوں رطوبات کی ترکیبی حالت (CONSISTANCY OF COMPOSITION) کو برقرار رکھتا ہے۔ باہمی طور پر اگر اس کے اجزائے ترکیبی میں کوئی کمی واقع ہو تو اس کی تکمیل اور اگر زیادتی ہو جائے تو اس کو دور کرے۔ جسم کی ان دونوں رطوبات کی ترکیبی حالت کے قیام کو درج ذیل خاکے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

IN ⟶ BLOOD FLUID ⟶ INNER CELLULAR

⟵ OUTER CELLULAR FLUID ⟵ CELL WALL ⟵ FLUID

OUT ⟵ CAPILLARY WALL

اس خاکے سے ظاہر ہے کہ جسم ایک SELF REGULATING MECHANISM (رطوبی انتظام ساخت) ہے جو اپنے خودکار خلیاتی میکنزم (PHYSIOLOGICAL MECHANISM) کے ذریعہ رطوبات کی [illegible] ترکیبی حالت کو برقرار رکھتا ہے اور

نتیجے کے طور پر خلیاتی استحالہ اپنی طبعی خصوصیت اور رفتار پر قائم رہتا ہے لیکن جب یہ میکنزم کسی وجہ سے خرابی کا شکار ہو جاتا ہے تو خلیاتی رطوبت کی طبعی مقدار بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی اور خلیاتی استحالہ میں ایسے مضر تغیرات واقع ہوتے ہیں جس سے جسم کی ساخت اور اس کے افعال بھی لازماً متاثر ہوتے ہیں اور اس طرح بیماری کا ظہور ہوتا ہے۔

رطوبت لمفاویہ یہ ایک شفاف رطوبت ہے جو عروق لمفاویہ (LYMPH VESSELS) میں پائی جاتی ہے۔ یہ رنگ میں پانی کی طرح ہوتی ہے لیکن مجری صدر (THORACIC DUCT) میں اس کی رنگت زرد ہوتی ہے۔

یہ عروق شعریہ سے نکل کر اعضاء کے جوفوں میں آجاتی ہے۔ یعنی یہ بافتوں کی رطوبت ہی سے بنتی ہے۔ جب عروق شعریہ کے دباؤ میں اضافہ ہوتا ہے تو اس رطوبت کی پیدائش کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ مختلف جگہوں پر اس کے بہاؤ کی رفتار مختلف ہوتی ہے۔ رد عمل کھاری ہوتا ہے اور رکھنے پر منجمد ہو جاتی ہے۔[۱]

اجزائے ترکیبی اس کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:

(۱) پانی ۹۴ فیصد ملی لیٹر
(۲) لحمیات ۲ سے ۵.۰ ملی گرام فی صد ملی لیٹر
(۳) شحمیات ۵ سے ۱۵ " " "
(۴) شکریات ۲ ر ۱۳۲ " " "
(۵) یوریا ۵ ر ۳۲ " " "
(۶) غیر لحمینی نائٹروجنی اجزاء ۴ ر ۳۴ " " "
(۷) کریے ٹی نین ۴ ر ۱ " " "
(۸) گلوکوز ۱۱۰ " " "

۱؎ کلیات عصری ص۹۳

(۹) فاسفورس ۸ر۱۱ ملی گرام فی صد
(۱۰) کیلشیم ۹ر۸۴ " "

افعال (۱) یہ ان اعضاء کے تغذیہ میں شامل ہے جن میں خون نہیں پہنچتا ہے۔
(۲) یہ تجاویف کی زائد رطوبت اور فضلات کیمیاویہ کو اپنے اندر لے لیتی ہے جس سے رطوبت تجاویف کی کمیت و کیفیت طبعی حالت پر برقرار رہتی ہے۔
(۳) اس کے ذریعہ امعاء کی کیموسات جذب ہو کر خون میں پہنچتی ہیں۔
(۴) یہ رطوبت جراثیم کے خلاف مدافعت کا فعل انجام دیتی ہے اور انھیں جسم سے باہر نکالنے میں معاونت کرتی ہے۔

بلغم غیر طبعی اوپر جن رطوبات کا ذکر ہوا اس کے علاوہ جو دیگر سفید رطوبتیں جسم میں پائی جاتی ہیں وہ سب بلغم طبعی میں شامل ہیں۔ اسی بلغم طبعی کی کمیت یا کیفیت میں تغیر لاحق ہونے سے بلغم غیر طبعی بن جاتا ہے۔ اس تغیر کے مدارج تو ہیں لیکن بلغم غیر طبعی کی کوئی قسم جیسا کہ اطباء کا خیال ہے، نہیں پائی جاتی ہے۔

خلط صفراء اس سے وہ رطوبت مراد ہے جو جگر میں بنتی اور مرارہ میں جمع ہوتی ہے اور اسی کا نام صفراء طبعی ہے[1]۔ یہ زردی مائل سبز رطوبت ہے جو ہضم غذا کے وقت قناۃ صفراوی (BILE DUCT) کے ذریعہ امعاء (اثنا عشری) میں گرتی ہے۔

اجزائے ترکیبی صفراء کی ترکیب میں درج ذیل اجزاء پائے جاتے ہیں[2]:
(۱) پانی ۹۷٫۵ گرام فیصد (کبد میں)، ۹۲ گرام فیصد (مرارہ میں)
(۲) املاح صفراء ۱٫۱ گرام فیصد (کبد میں)، ۳٫۰ سے ۱۰ گرام فیصد (مرارہ میں)
(۳) حمرۃ الصفراء (بلی روبن) ۰٫۲ " " " ۰٫۶ سے ۲ " " "
(۴) اصفرتین (کولسٹرال) ۰٫۱ " " " ۰٫۳ سے ۹ " " "

---

[1] صفراء طبعی کی کمیت و کیفیت میں فرق آجانے سے صفراء غیر طبعی بنتا ہے۔
[2] کلیات عصری ص ۲۲۱

(۵) حمض شحمی (فیٹی ایسڈ) ۱۲ر گرام فی صد (کبد میں) ۲ر سے ۱ر گرام فیصد (طحال میں)

(۶) صفرتین (لیسی تھین) ۲ر۰ 〃 〃 〃 ۱ر سے ۲ر 〃 〃 〃

(۷) سوڈیم	Meq/L		۱۴۰			۱۳۰ Meq/L	〃
(۸) پوٹیشیم	〃	〃	۵	〃	〃	۹	〃
(۹) کیلشیم	〃	〃	۵	〃	〃	۱۲	〃
(۱۰) کلورائڈ	〃	〃	۱۰۰	〃	〃	۷۵	〃
(۱۱) بائی کاربونیٹ	〃	〃	۲۸	〃	〃	۱۰	〃

افعال

(۱) صفرا ہضم غذا میں مدد دیتا ہے۔

(۲) براز کے اخراج کے لیے امعاء میں تحریک پیدا کرتا ہے۔

(۳) اثنا عشری میں رطوبات (GASTRIC JUICES) کا ردِ عمل (پی۔ایچ) مناسب حد کے اندر برقرار رکھتا ہے، انزائمس کے عمل کو تیز کرتا ہے۔

(۴) ہائیڈروکلورک ایسڈ کی تعدیل کر کے (معدہ میں رجعت کے عمل سے) اس کے مضر اثرات سے غشاء مخاطی کی حفاظت کرتا ہے۔

(۵) جراثیم کو ہلاک کرتا ہے۔ بعض اوقات اس سے دیدان امعاء بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔

مزاج[1] (TEMPERAMENT)

لغوی معنی مزاج کے لغوی معنی اختلاط اور آمیزش کے ہیں۔ علامہ نفیس نے لکھا ہے[2]:

امتزاج و هو مصدر اطلق علی الممتزج مجازاً — مزاج مصدر ہے لیکن اس کا اطلاق مجازی طور پر ممزوج (مرکب) اخلاط پر کیا گیا ہے۔

مزاج کی تعریف ابن سینا نے مزاج کی تعریف میں لکھا ہے[3]:

"مزاج وہ کیفیت ہے جو عناصر کی متضاد کیفیتوں

---

[1] انگریزی میں اس کے مرادف کے طور پر TEMPERAMENT کا لفظ مستعمل ہے۔ انگریزی کا یہ لفظ لاطینی لفظ TEMPERO سے مشتق ہے جس کے معنی باہم اختلاط (TO MIX TOGETHER) کے ہیں۔ یونانی اطباء رطوبات کی آمیزش کے لیے KRASIS کا لفظ استعمال کرتے تھے جو KERANNYNI سے ماخوذ ہے جس کے معنی ملنے کے ہیں۔ اسی لفظ KRASIS کا ترجمہ TEMPERAMENT کیا گیا ہے (روڈولف ای سیگل گیلینس سسٹم آف فزیالوجی اینڈ میڈیسن ص ۳۰۹)

دوسرا لفظ جو مزاج کے مرادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے وہ کانسٹی ٹیوشن (CONSTITUTION) ہے جس کے ایک معنی جسم و دماغ کی طبعی حالت کے ہیں (NATURAL CONDITION OF BODY AND MIND) لیکن جب یہ لفظ طب میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے جوہر بدن کی تعداد اور ان کا طریق اتحاد مراد ہوتا ہے۔ یہ آخری معنی مزاج کے مصطلحی یا عنصری مفہوم سے جس کا راقم سطور قائل ہے، زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

[2] نفیسی مع حاشیہ مولانا عبدالحلیم ص ۱۸

[3] ابن سینا القانون فی الطب ج ۱ ص ۳۸

کے تعامل سے پیدا ہوتی ہے جو چھوٹے چھوٹے اجزاء میں اس لیے منقسم ہوتے ہیں کہ ہر ایک کے بیشتر اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مل سکیں۔ چنانچہ جب یہ اجزائے صغیرہ اپنی قوتوں (کیفیات) سے باہم فعل و انفعال کرتے ہیں تو ان جملہ کیفیات سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو عناصر کے تمام اجزاء میں یکساں ہوتی ہے اور اس کا نام مزاج ہے۔"

علی ابن عباس مجوسی (متوفی ۹۹۴ء) نے لکھا ہے[۱]:

"اُسطقسات کے باب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس عالم کون و فساد میں جتنے اجسام لطیفہ پائے جاتے ہیں وہ چار اسطقسات (عناصر) کے سبب مرورت (بدن) مختلف یا مساوی مقداروں میں امتزاج سے بنے ہیں۔ اور جب صورت واقعہ یہ ہے تو بعض اجسام کی ترکیب مساوی اجزاء (عناصر) سے اور بعض کی غیر مساوی اجزاء سے ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں جسم (مرکب) پر اُسطقسات کی کیفیات میں سے ایک یا دو کیفیتیں غالب ہوتی ہیں اور انہی کیفیات (غالبہ) کا نام مزاج ہے اور یہ لفظ امتزاج سے نکلا ہے یعنی اُسطقسات کا باہم ایک دوسرے سے ملنا۔"

ایک دوسری جگہ امتزاج کی صورتوں پر بحث کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے[۲]:

"امتزاج کی دو صورتیں ہیں۔ امتزاج سادہ اور امتزاج حقیقی۔ امتزاج سادہ وہ ہے جس میں ملنے والی اشیاء کی طبیعت (مزاج) اپنی جگہ قائم رہتی ہے مثلاً پانی کو کسی شربت میں ملا دیا جائے تو اگرچہ وہ مل جاتے ہیں اور آپس میں متحد ہو جاتے ہیں مگر ان دونوں کا مزاج اپنی جگہ قائم رہتا ہے اور کوئی تیسری چیز ان سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔" اس کے برخلاف امتزاج حقیقی وہ ہے کہ جس میں ملنے والے اجزاء ایک

۱؎ علی ابن عباس مجوسی، کامل الصناعۃ ج ۱ ص ۱۸-۱۹

۲؎ کامل الصناعۃ ج ۱ ص ۱۵

دوسرے سے اس طرح متحد ہو جاتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مزاج کو چھوڑ دیتا ہے اور ان کے ملنے سے جو مرکب بنتا ہے اس میں ایک تیسرا مزاج پیدا ہو جاتا ہے یا اس میں کیفیت واحدہ پیدا ہو جاتی ہے جو مرکب پر غالب ہوتی ہے۔ اسی کو طبی مزاج کہا جاتا ہے۔"

مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ ابن سینا اور علی ابن عباس مجوسی تعریف مزاج میں مختلف الرائے ہیں۔ ابن سینا کے نزدیک کیفیت متشابہ کا نام مزاج ہے یعنی مرکبات میں کیفیات اربعہ موجود تو ہوتی ہیں لیکن ان میں سے کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ ان میں ایک اعتدالی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی مزاج ہے، جب کہ مجوسی کے نزدیک مزاج نام ہے کیفیت یا کیفیات غالبہ کا۔ اس تعریف کے مطابق کیفیات متضادہ کے فعل وانفعال کے نتیجے میں مرکب میں صرف ایک یا دو کیفیات غالبہ کا وجود ہوتا ہے باقی کیفیات معدوم ہو جاتی ہیں۔

ابو سہل مسیحی (متوفی ۴۰۱/ ۱۰۱۰ء) تعریف مزاج میں شیخ کا ہم نوا ہے لکھتا ہے:[1]

"ہم کہتے ہیں کہ بدن کے اُسطقسات کثرت سے ہیں اور ان کی ترکیب محض ان کے باہم قریب ہونے سے نہیں بلکہ کامل اختلاط واتحاد سے عمل میں آتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ بدن میں موجود اُسطقسات کی کیفیات ممزوج و متحد ہوں چنانچہ جب مختلف کیفیات کی حامل اشیاء کثیرہ باہم ملتی ہیں تو ان کی جملہ کیفیات سے ایک کیفیت واحدہ وقوع میں آتی ہے۔ اس درمیانی کیفیت کا نام مزاج ہے۔"

امتزاج

اطباء نے امتزاج کی دو صورتیں بتائی ہیں:

(۱) امتزاج سادہ (SIMPLE MIXTURE)

(۲) امتزاج حقیقی (COMPOUND MIXTURE)

امتزاج سادہ اسے کہتے ہیں کہ جب دو یا دو سے زیادہ چیزیں باہم سادہ طور پر ملیں اور اس آمیزش کے باوجود ان کے سابقہ خواص بدستور باقی رہیں، مثلاً

---

[1] ابو سہل مسیحی، کتاب المائۃ ج ۱، ص ۲

پانی میں شکر کا حل ہو جانا۔ لیکن طب میں اس قسم کے امتزاج سے بحث نہیں کی جاتی ہے۔

امتزاج سادہ کے برخلاف جب دو یا دو سے زیادہ عناصر یا ان کے مرکبات، باہم اس طرح ملیں کہ نہ صرف ان کے سابقہ خواص تبدیل ہو جائیں بلکہ نئی کیفیات و خواص اس مرکب میں پیدا ہو جائیں تو اس طریقۂ آمیزش کو امتزاج حقیقی کہتے ہیں۔ طب کا موضوع بحث اسی قسم کا امتزاج ہے۔

امتزاج کے اسباب

اطباء کے نزدیک عناصر اربعہ (اُسطقسات) چار کیفیات کے حامل ہوتے ہیں۔ یعنی حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست۔ عناصر کی یہی کیفیات متضادہ جب باہم ایک دوسرے میں فعل و انفعال اور کسر و انکسار کرتی ہیں تو مرکبات وجود میں آتے ہیں مثلاً جب گرم و سرد عناصر باہم ملتے ہیں تو گرم عناصر کی حرارت اور سرد عناصر کی برودت ایک دوسرے میں اثر کرتی ہیں یعنی ان دونوں کے درمیان ایک قدرتی جنگ واقع ہوتی ہے۔ ہر ایک کیفیت دوسری کیفیت کو توڑ دینا چاہتی ہے۔ اس قدرتی جنگ کے نتیجے میں حرارت و برودت کی پہلی حالت باقی نہیں رہتی بلکہ دونوں کی تیزی ٹوٹ جاتی ہے اور اس طرح ایک ایسا مرکب وجود میں آتا ہے جس میں ایک کیفیت متوسط ملتی ہے اور یہی مزاج ہے۔

کیفیات متضادہ کی بنا پر عناصر کی اس امتزاجی صورت پر امام رازی نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے[1]:

"ایک کیفیت کی شکست دوسری کیفیت کی شکست سے پہلے ہوگی یا دونوں کی شکست آگے پیچھے ہونے کے بجائے بیک وقت ہوگی۔ چنانچہ اگر پہلی صورت ہے یعنی ایک کیفیت کی شکست دوسری کیفیت سے مقدم ہے تو لازم آتا ہے کہ جو کیفیت شکستہ ہو چکی ہے وہ بعد کو کیفیت شکن یعنی مغلوب ہو کر غالب ہو جاتے اور یہ ناممکن ہے کیونکہ

---

[1] ترجمہ و شرح کلیات نفیسی، حکیم کبیر الدین ص۲۱، ۱۹ (حصہ اول)

جب یہ غالب اور قوی تھی اس وقت یہ دوسری کیفیت کو نہ توڑ سکی تو اب یہ مغلوب ہوکر دوسری غالب کیفیت کو کیونکر توڑ سکتی ہے۔ اور اگر دوسری صورت ہے یعنی دونوں کیفیات کی شکست آگے پیچھے ہونے کے بجائے بیک وقت ہو رہی ہے تو اس وقت یہ لازم آتا ہے کہ وہی ایک کیفیت بیک وقت غالب بھی ہے اور مغلوب بھی اور یہی ناممکن الوقوع ہے۔"

اطباء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ جب عناصر باہم ملتے ہیں تو ان عناصر کی نفس کیفیت خواہ وہ قوی ہو یا کمزور دوسری کیفیت کی تیزی کو توڑ دیتی ہے یعنی توڑنے والی چیز نفس کیفیت ہوتی ہے اور ٹوٹنے والی چیز کیفیت کی تیزی اور یہ ظاہر ہے کہ نفس کیفیت علیحدہ چیز ہے اور اس کی تیزی علیحدہ مثلاً نیم گرم پانی نہایت سخت گرم پانی کی تیزی کو توڑ سکتا ہے حالانکہ نیم گرم پانی کی کیفیت حرارت شکستہ ہوتی ہے[1]

حکماء نے بھی اس کا جواب دیا ہے لیکن یہاں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خالص فلسفیانہ جواب ہے۔ یہ سارے جوابات فی الواقع لفظی موشگافیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام رازی نے ابن سینا کی تعریف اور کیفیت امتزاج عناصر پر جو اعتراض وارد کیا ہے وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے ایک ہی کیفیت بیک وقت غالب بھی ہو اور مغلوب بھی ناقابل قیاس ہے۔

اقسام مزاج

ہر ذی حیات کا مزاج یا تو معتدل ہوگا یا غیر معتدل اس اعتبار سے مزاج کی دو قسمیں ہیں[2]: (۱) مزاج معتدل (۲) مزاج غیر معتدل

---

[1] کلیات نفیسی ج ۱ صفحہ ۱

[2] متقدمین اطباء نے مزاج کی ابتدائی دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) مزاج ذہنی (۲) مزاج طبی۔ مزاج ذہنی وہ ہے جس کا وجود محض ذہن میں ہو خارج میں اس کا کوئی وجود نہ ہو۔ اور مزاج طبی وہ ہے جو مادی وجود رکھتا ہو یعنی کسی نہ کسی مرکب کی شکل میں پایا جاتے۔

مزاج ذہنی کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) معتدل حقیقی (۲) معتدل غیر حقیقی۔ معتدل حقیقی وہ ہے جس میں عناصر کی کیفیات مساوی ہوں اور معتدل غیر حقیقی وہ مزاج ہے (اگلے صفحہ پر)

مزاجِ معتدل وہ مزاج ہے جو جسم مرکب کے طبعی افعال کے مطابق ہو اور اس کے لیے باعث راحت بھی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مرکب میں خواہ وہ مرکب سارا بدن ہو یا کوئی مخصوص عضو، عناصر کی مقدار اور ان کی کیفیات حسب ضرورت ہوں۔ مثلاً اگر کوئی عضو طبعی طور پر بارد ہے تو اس میں برودت

پچھلے صفحہ کا بقیہ:

جس میں عناصر کی کیفیات برابر نہ ہوں بلکہ کم و بیش ہوں۔ لیکن مزاج ذہنی اور اس کی مذکورہ دونوں قسموں سے طب کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ معتدل حقیقی کا وجود نہیں اور اس کو اطبا بھی تسلیم کرتے ہیں اور معتدل غیر حقیقی کا خارجی وجود تو ممکن ہے لیکن چونکہ یہ ذہنی ہی کی ایک قسم ہے اس لیے یہ بھی خارج از بحث طبی ہے۔

فی الواقع طب کا تعلق صرف مزاج طبی سے ہے اور اس کی دو قسمیں مزاج معتدل و غیر معتدل ہیں۔

لہ ابن سینا نے پہلے مطلق مزاج کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم (معتدل حقیقی) وہ ہے جس میں مزاج کیفیات متضادہ کے وسط میں ہوتا ہے یعنی کیفیت متوسط۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں مزاج کیفیات متضادہ کے بالکل وسط میں نہ ہو بلکہ کسی ایک طرف مائل ہو خواہ یہ میلان ایک کیفیت میں ہو یا دو کیفیات میں۔

اس تقسیم کے بعد شیخ نے لکھا ہے کہ مزاج مطلق کی مذکورہ دونوں قسمیں طب کے دائرہ بحث سے باہر ہیں۔ طب میں جس مزاج معتدل سے بحث کی جاتی ہے وہ عدل فی القسمۃ سے مشتق ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ مرکب کو خواہ وہ مرکب کل بدن ہو یا کوئی عضو، کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے عناصر کا اتنا حصہ دیا جاتے جو انسانی مزاج کے اعتبار سے موزوں ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدن یا عضو کے طبعی افعال کے لیے موزوں اور مناسب ہو خواہ اس میں حرارت یا برودت فی نفسہ زیادہ ہو۔

شیخ نے مزاج غیر معتدل کی تعریف نہیں کی ہے لیکن جہاں اس کا تذکرہ کیا ہے (ج ا صفحہ ۲) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مزاج مطلق کی قسم ثانی کا بیان ہے حالانکہ یہ اس کے نزدیک غیر طبی مزاج ہے۔ یہ ایک واضح تضاد ہے۔

کا فعل اس کے طبعی افعال کے عین مطابق ہوگا اسے خارج از اعتدال نہیں کہا جائے گا۔ اس اعتبار سے مزاج معتدل کی آٹھ قسمیں ہیں[1]:

(۱) معتدل نوعی خارجی: اس مزاج کو کہتے ہیں جو ہر نوع کو دوسری انواع کے مقابلے میں حاصل ہوتا ہے۔ مخلوقات عالم کی مختلف انواع ہیں، مثلاً نوع انسان اور نوع حیوان وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کا جو مزاج ہے وہ دوسری نوع کے مزاج سے مختلف اور غیر معتدل ہے لیکن اپنی جگہ ہر نوع کا مزاج بہتر اور معتدل ترین ہے۔ اس لیے کہ وہ اس نوع کے مخصوص اغراض و افعال طبعی کے مطابق ہوتا ہے مثلاً جو شیر کا مزاج ہے وہ انسان کے مزاج کے لحاظ سے غیر معتدل ہے لیکن اس کے اپنے افعال مخصوصہ کے اعتبار سے معتدل ہے۔ اس لحاظ سے تمام انواع میں انسان کو جو مزاج حاصل ہے وہ ان افعال و اغراض کے اعتبار سے جو اس سے مطلوب ہیں دیگر تمام انواع کے مزاج سے زیادہ اعدل و اشرف ہے۔

(۲) معتدل نوعی داخلی: ایک نوع کے تمام افراد میں سے کسی ایک فرد کو ایک ایسا اعدل و انسب درجۂ مزاج حاصل ہو جو اس نوع کے دیگر تمام افراد میں سے کسی کو حاصل نہ ہو اور اس مزاج کے حصول کی وجہ سے اس فرد خاص میں نوع انسانی کے مطلوبہ افعال کے صدور کی قابلیت و استعداد دیگر تمام افراد نوع سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

(۳) معتدل صنفی خارجی: اس مزاج کو کہتے ہیں جو نوع انسانی کی مختلف اصناف یعنی مختلف ممالک میں رہنے والے انسانوں کو الگ الگ حاصل ہوتا ہے ہر ملک کے انسان کا مزاج دوسرے ملک کے انسان کے مزاج سے مقابلۃً معتدل ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے جسمانی افعال، طبعی تقاضے اور جغرافیائی حالات کے مطابق ہوتا ہے اور اس کی صحت کے لیے ناگزیر بھی۔ مثلاً ہندوستان کے لوگوں کا ایک مخصوص مزاج ہے جس پر ان کی صحت یعنی افعال جسمانی کی درستگی کا دار و مدار ہے لیکن برطانیہ کے لوگوں کا مزاج اس سے قطعی مختلف ہوتا ہے، ہندی مزاج کے لحاظ

---

[1] القانون فی الطب ج ۱ صفحہ ۳۶، ۳۹

سے یہ غیر معتدل مزاج کہلائے گا لیکن ان کی جسمانی حاجات و افعال کے لحاظ سے بالکل معتدل ہوتا ہے

معتدل صنفی داخلی: ایک ہی صنف یعنی ایک ملک کے باشندوں میں کسی ایک شخص کا مزاج جو دوسرے تمام باشندوں سے معتدل اور افعال مطلوبہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہو، معتدل صنفی داخلی کہلاتا ہے۔

معتدل شخصی خارجی: وہ مزاج ہے جو ہر فرد بشر کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ ہر شخص کا اپنا مزاج معتدل اور افعال شخصیہ مطلوبہ کے لیے انسب و اولیٰ ہوتا ہے۔

معتدل شخصی داخلی: اس مزاج کو کہتے ہیں جو کسی شخص کو اس کی عمر کے کسی خاص وقت میں حاصل ہو جب کہ وہ باعتبار صحت دوسرے اوقات عمر کے مقابلے میں بہتر ہو اور اس کے افعال طبیعیہ مخصوصہ بہتر طور پر صادر ہو رہے ہوں۔

معتدل عضوی خارجی: اس سے انسان کے تمام اعضاء میں سے ایک ایک عضو کا مزاج مراد ہے۔ کیونکہ ہر عضو کا جو مزاج ہوتا ہے وہ اس کے افعال مخصوصہ کے لحاظ سے معتدل ہوتا ہے لیکن دوسرے عضو کے مزاج کے اعتبار سے غیر معتدل بلکہ مضر ہوتا ہے مثلاً قلب کا مزاج گرم اور دماغ کا مزاج سرد ہے، لیکن دونوں اپنے اپنے افعال مطلوبہ کے لحاظ سے معتدل ہیں اگرچہ مزاجاً ایک دوسرے کے مخالف و متضاد ہیں۔ اگر ایک کا مزاج دوسرے کو حاصل ہو جائے تو اس کے لیے مضر ثابت ہوگا۔

معتدل عضوی داخلی: وہ مزاج ہے جو ایک عضو کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ باعتبار صحت درجۂ کمال پر ہوتا ہے اور دوسرے اوقات کے لحاظ سے باعتبار افعال طبیعیہ مخصوصہ معتدل ہوتا ہے۔

مزاج غیر معتدل: وہ مزاج ہے جو جسم مرکب کے طبعی افعال مطلوبہ کے مطابق نہ ہو اور اس کے لیے باعث اذیت ہو۔ دوسرے لفظوں میں جس میں خروج از اعتدال ایک یا دو کیفیات میں ہو۔ اس اعتبار سے غیر معتدل

کی بھی آٹھ قسمیں ہیں۔ چار مفرد[1] اور چار مرکب[2]۔

مفرد اقسام

۱۔ غیر معتدل مفرد حار: وہ مزاج ہے جس میں عدم اعتدال حرارت میں واقع ہو یعنی طبعی ضرورت سے زیادہ ہو جاتے۔

۲۔ غیر معتدل مفرد بارد: وہ مزاج ہے جس میں برودت کا غلبہ ہو۔

۳۔ غیر معتدل مفرد رطب: وہ مزاج جس میں رطوبت کا غلبہ ہو۔

۴۔ غیر معتدل مفرد یابس: وہ مزاج جس میں یبوست کا غلبہ ہو۔

مرکب اقسام

۱۔ غیر معتدل مرکب حار یابس: وہ مزاج جس میں حرارت و یبوست غالب ہوں۔

۲۔ غیر معتدل مرکب حار رطب: جس میں حرارت و رطوبت غالب ہوں۔

۳۔ غیر معتدل مرکب بارد یابس: جس مزاج میں برودت و یبوست غالب ہوں۔

۴۔ غیر معتدل مرکب بارد رطب: وہ مزاج جس میں برودت و رطوبت غالب ہوں یعنی طبعی حالت سے زیادہ ہوں۔

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:

[1] اذیت کے مختلف درجات ہیں۔ جس قدر مزاج طبعی میں عدم اعتدال واقع ہوگا اسی کی نسبت سے اذیت کا بھی احساس ہوگا۔ حاد بیماریوں میں عدم اعتدال زیادہ ہوتا ہے اس لیے ان میں اذیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ معمولی تکالیف میں چونکہ عدم اعتدال زیادہ نہیں ہوتا اس لیے تکلیف کا احساس بھی کم ہوتا ہے۔

[1] اس میں خروج از اعتدال کسی ایک کیفیت میں ہوتا ہے۔

[2] اس میں خروج از اعتدال کسی دو کیفیت میں ہوتا ہے۔

[3] غیر معتدل کو اصطلاحاً سوء مزاج بھی کہا جاتا ہے اور بعض اطباء نے اسی لحاظ سے اس کی قسمیں بیان کی ہیں مثلاً مفرد اقسام میں: سوء مزاج حار، سوء مزاج بارد، سوء مزاج یابس اور سوء مزاج رطب، سوء مزاج بارد و یابس اور سوء مزاج بارد و رطب۔ مرکب اقسام میں سوء مزاج حار یابس، حار رطب
پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں، سوء مزاج سادہ اور سوء مزاج مادی۔ اس طرح سوء مزاج (مزاج غیر معتدل) کی سولہ قسمیں ہو جاتی ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

امزجۂ اسنان

سن کی جمع اسنان ہے اور سن کے معنی عمر کے ہیں۔ اطباء نے انسانی زندگی کو باعتبار عمر چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔
(۱) سن نمو[1] (۲) سن وقوف یا سن شباب (۳) سن کہولت (۴) سن شیخوخت۔
سن نمو یا سن حداثت: وہ عمر ہے جس میں بدن نشوونما کے مراحل طے کرتا ہے۔ سن وقوف یا سن شباب کی مدت چالیس سال ہے۔ اس عمر میں بدن کا نشوونما ختم ہو جاتا ہے یعنی اعضاء نہ گھٹتے ہیں اور نہ بڑھتے ہیں۔ سن کہولت ساٹھ سال تک ہے۔ اس عمر میں بدنی انحطاط کا عمل شروع ہو جاتا ہے مگر زیادہ نمایاں نہیں ہوتا۔ سن شیخوخت

پچھلے صفحہ کا بقیہ:
آٹھ مفرد و مرکب اور آٹھ سادہ (سازج) و مادی۔ آخر الذکر اقسام (سادہ و مادی) پر مزید گفتگو کتاب کے دوسرے حصے میں اسباب کی بحث میں ملے گی۔ لیکن اتنا یہاں جان لیں کہ سادہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی کیفیت سادہ طور پر جسم میں پیدا ہو جائے مثلاً عارضی طور پر جسم کی طبعی حرارت کا بڑھ جانا یا گھٹ جانا۔ مادی سے مراد یہ ہے کہ اخلاط میں کوئی غیر معتدل حالت پیدا ہو جائے خواہ یہ باعتبار کمیت ہو یا باعتبار کیفیت۔

[1] سن نمو کو بھی پانچ درجات میں تقسیم کیا گیا ہے:
۱. سن طفولیت: پیدائش سے چار سال تک۔ اس سن والے کو طفل کہتے ہیں۔
۲. سن صبی: ۷ سال کی عمر تک۔ اس سن والے کو صبی کہتے ہیں۔
۳. سن ترعرع: ۷ سے ۱۴ سال تک۔ اس سن والے کو مترعرع کہتے ہیں۔
۴. سن رہاق: ۱۴ سے ۲۱ سال تک۔ اس سن والے کو مراہق کہتے ہیں۔ اس عمر میں داڑھی مونچھ نکل آتے ہیں۔
۵. سن فتی: ۲۱ سے ۳۰ سال تک۔
تفصیل کے لیے دیکھیں: قسطاس الاطباء (مخطوطہ) حکیم نور الدین محمد عبداللہ عین الملک شیرازی، محزونہ انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن، عثمانیہ میڈیکل کالج حیدرآباد، داخلہ نمبر ۲۵۹۲ ورق ۹
۲۔ القانون فی الطب ج ۱ ص ۲۲

(عہد پیری کی مدت ۶۰ سے آخر عمر تک ہے۔

مزاج صبیان بچوں کا مزاج حار رطب ہوتا ہے، کیونکہ اس عمر میں رطوبت غریزیہ اور حرارت غریزیہ دونوں غالب ہوتی ہیں۔ بچوں کا مزاج سب سے زیادہ گرم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا استحالہ قاعدی (B.M.R) جوانوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ بچے کی عمر میں جوں جوں اضافہ ہوتا ہے قاعدی استحالہ کی رفتار کم ہوتی جاتی ہے اور سن کہولت وشیخوخت میں بہت زیادہ کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک چھ سال کے بچے کے استحالہ قاعدی کی رفتار ۵۱،۵ حرارے (CALORIE) ۱۲ سال کے بچے کی ۴۰،۵ حرارے اور بیس سے تیس سال تک کی عمر میں چالیس حرارے اور ستر سال کی عمر میں ۳۸،۵ سے ۳۵،۵ حرارے ہوتی ہے[1]۔

حرارت کی اس کمی اور بیشی کا سبب بدن میں رطوبت کی مقدار کی کمی وبیشی ہے۔ سن نمو میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے اس لیے حرارت زیادہ پیدا ہوتی ہے لیکن آدمی جیسے ہی سن وقوف میں داخل ہوتا ہے بدنی رطوبت کم ہونے لگتی ہے اس لیے تولید حرارت بھی کم ہو جاتی ہے۔ رطوبت کی اس کمی کی وجہ سے ہی سن وقوف میں بدن کا نشوونما رک جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کا استحالہ قاعدی دوسری عمروں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے ماننا ہوگا کہ بچوں کا مزاج سب سے زیادہ گرم ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بظاہر بچوں کے مقابلے میں جوانوں کے مزاج میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کا بدن رطوبت سے لبریز ہوتا ہے اور رطوبت کی یہی زیادتی اس اس کی حرارت کی تیزی کو دباتی اور چھپاتی ہے۔

بچوں میں رطوبت کے زیادہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کے بدن میں جسمانی وزن

---

[1] سید اشتیاق احمد، کلیات عصری ص ۹۳

کی نسبت سے پانی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ ان میں پانی کی مقدار کل جسمانی وزن کے ۸۰ فیصد سے بھی زائد ہوتی ہے، جنین میں یہ مقدار اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی جاتی ہے اس مقدار رطوبت میں کمی ہوتی جاتی ہے۔

مزاج شبان: جوانوں کا مزاج معتدل ہے مائل بہ حرارت۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں رطوبت و حرارت دونوں کی مقدار اوسط درجہ میں ہوتی ہے نہ بچوں کی طرح زیادہ اور نہ بوڑھوں کی طرح کم ہوتی ہے۔ انسان کی عمر کا یہی وہ حصہ ہے جس میں اس کی صحت زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

مزاج کہول و مشائخ

ان کا مزاج بارد ہوتا ہے[1] اور مشائخ کے مزاج میں کہول سے زیادہ برودت ہوتی ہے۔ مشائخ کے بدن میں رطوبات غریبہ[2] کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کے بدن میں خشکی کا غلبہ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رطوبات غریبہ بیکار اور اعضاء سے بالکل جدا ہوتی ہیں اور ان سے بدن کو غذا نہیں ملتی۔[3]

امزجۂ اجناس

عورتوں اور مردوں کا مزاج بھی قدرت نے ان کے طبعی وظائف کے لحاظ سے مختلف بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں کا مزاج گرم اور عورتوں کا مزاج

---

[1] اطباء متقدمین کے نزدیک بارد یابس ہے لیکن راقم سطور کے نزدیک رطوبت کی طرح یبوست پر بھی مزاج کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فی الواقع رطوبت و یبوست کیفیات نہیں بلکہ یہ محض بدن میں اجزائے مائیہ کی کمی و زیادتی کی علامت ہیں۔

[2] رطوبت غریبہ سے مراد غیر طبعی اخلاط ہیں جن کا اجتماع بڑھاپے میں استحالہ کی رفتار کے کم ہو جانے کی وجہ سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

[3] اطباء نے لکھا ہے کہ وہ یابس المزاج کے ساتھ مرطوب المزاج بھی ہوتے ہیں، یہ ناممکن ہے کہ کسی کا مزاج یابس بھی ہو اور مرطوب بھی، یبوست و رطوبت میں اجتماع محال ہے۔

سرد ہے[1] دوسرے لفظوں میں مردوں میں حرارت اور عورتوں میں برودت کا غلبہ ہوتا ہے اطباء نے اس اختلاف مزاج کے بہت سے دلائل دیے ہیں لیکن یہ سب دلائل قیاسی ہیں اس لیے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ تجربہ سے اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عورتوں کے خون کا درجۂ حرارت مردوں کے خون کے درجۂ حرارت سے کم ہوتا ہے۔ عورتوں میں حرارت کے کم پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے استحالہ کی رفتار مردوں کے استحالہ کی بہ نسبت سست ہوتی ہے۔

غلبۂ اخلاط کے لحاظ سے مزاجی شخصیات

اطباء کا خیال ہے کہ انسان کی مزاجی شخصیت کا اظہار اس خلط کے لحاظ سے ہوتا ہے جو اس کے جسم میں غالب ہوتی ہے اور اس اعتبار سے انسان کو چار درجات میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) دموی المزاج (۲) صفراوی المزاج (۳) بلغمی المزاج (۴) سوداوی المزاج

دموی المزاج

جن لوگوں کا مزاج دموی ہوتا ہے ان میں درج ذیل خصوصیات ملتی ہیں:

۱۔ موٹے، قوی اور فعّال ہوتے ہیں۔
۲۔ چہرے کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔
۳۔ شہوت قدرے زیادہ ہوتی ہے۔
۴۔ بدن میں معمولی بھاری پن کا احساس ہوتا ہے۔
۵۔ اشتہا اچھی ہوتی ہے
۶۔ پیشاب کا رنگ ناری ہوتا ہے۔

---

[1] اطباء نے لکھا ہے کہ مردوں کا مزاج گرم و خشک اور عورتوں کا سرد و تر ہے۔ ان کے مزاج کے رطب ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ رطوبت کی مقدار ان میں زیادہ ہوتی ہے حالانکہ جدید تحقیق یہ ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے اندر رطوبت کی مقدار دس فیصد کم ہوتی ہے۔

[2] دیکھیں، گیلنس سسٹم آف فزیالوجی۔ ص ۲۳۹-۲۴۲۔

۷۔ نبض قوی اور عظیم ہوتی ہے۔

صفراوی المزاج

صفراوی مزاج کے لوگوں میں حسب ذیل اوصاف ملتے ہیں:

۱۔ دبلے پتلے اور زرد رو ہوتے ہیں۔
۲۔ غصہ زیادہ آتا ہے۔
۳۔ بدن پر بالوں کی کثرت ہوتی ہے۔
۴۔ جری، باہمت اور دانا ہوتے ہیں۔
۵۔ شہوت کی زیادتی ہوتی ہے۔
۶۔ پیشاب پیلا اور آتشیں ہوتا ہے۔
۷۔ عروق دمویہ نمایاں ہوتی ہیں۔
۸۔ نبض، قوی اور سریع ہوتی ہے۔

بلغمی المزاج

بلغمی مزاج رکھنے والوں کی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ بدن ڈھیلا اور چربی دار (ملائم) ہوتا ہے۔
۲۔ بدن کا رنگ سفید ہوتا ہے۔
۳۔ بال باریک اور نرم ہوتے ہیں۔
۴۔ نیند کی زیادتی ہوتی ہے۔
۵۔ شہوت بہت کم ہوتی ہے۔
۶۔ بطی الحرکات ہوتے ہیں۔
۷۔ عروق دموی نمایاں نہیں ہوتیں۔
۸۔ پیشاب کا رنگ سفید یعنی بےرنگ ہوتا ہے۔
۹۔ پیاس بہت کم لگتی ہے۔
۱۰۔ لعاب دہن زیادہ بنتا ہے۔

سوداوی المزاج

جن لوگوں کا مزاج سوداوی ہوتا ہے وہ درج ذیل اوصاف وخصوصیات کے مالک ہوتے ہیں:

۱۔ دبلے پتلے اور گہرے رنگ کے ہوتے ہیں۔
۲۔ قلیل الشہوت ہوتے ہیں۔
۳۔ جلد خشک ہوتی ہے۔
۴۔ نیند کم آتی ہے۔
۵۔ پیشاب کا رنگ سیاہ یا سرخی مائل سیاہ ہوتا ہے۔[۱]

کیفیات کے لحاظ سے مزاجی شخصیات

بعض اطباء نے کیفیات اربعہ کے لحاظ سے مزاجی شخصیات کا تعین کیا ہے اور اس کی چار قسمیں قرار دی ہیں (۱) حار المزاج (۲) بارد المزاج (۳) یابس المزاج (۴) رطب المزاج۔

حار المزاج

یہ لوگ دبلے پتلے ہوتے ہیں، جلد گرم ہوتی ہے۔ بخار جلد آتے ہیں، جلد تکان آجاتی ہے۔ پیاس کی زیادتی ہوتی ہے۔ فم معدہ میں سوزش کا احساس ہوتا ہے۔ منہ کا مزہ کڑوا ہوتا ہے۔ رنگت سرخ[۲] اور وریدیں نمایاں ہوتی ہیں بال سیاہ اور موٹے۔ نبض ضعیف، سریع اور متواتر ہوتی ہے۔ گرم غذاؤں سے تکلیف ہوتی ہے اور سرد چیزوں سے راحت ملتی ہے۔ موسم گرما باعث اذیت ہوتا ہے۔

بارد المزاج

یہ لوگ فربہ بدن ہوتے ہیں۔ جلد بدن چھونے سے سرد معلوم ہوتی ہے۔[۳] بدن میں بال کم ہوتے ہیں۔ ضعف ہضم کی شکایت ہوتی ہے، پیاس کم لگتی ہے۔ مفاصل میں ڈھیلا پن ہوتا ہے۔ بلغمی بخار اور نزلہ وزکام کی کثرت ہوتی

---

[۱] غلبۂ اخلاط کے اعتبار سے مزاجی شخصیات کی مذکورہ تقسیم اپنے اندر یقیناً صداقت رکھتی ہے لیکن اسے بالکلیہ صحیح نہیں کہا جاسکتا ہے۔ بسا اوقات جسم کا عمومی مزاج کچھ ہوتا ہے اور عضوی مزاج کچھ اور مثلاً عام مزاج صفراوی ہے لیکن معدے کا مزاج بلغمی ہے۔

[۲] یہ ضروری نہیں ہے۔

[۳] یعنی حار المزاج کے مقابلے میں۔

ہے، سرد چیزوں سے تکلیف اور گرم چیزوں سے راحت ملتی ہے، موسم سرما تکلیف دہ ہوتا ہے۔

یابس المزاج جلد خشک اور کھردری ہوتی ہے۔ نیند بہت کم آتی ہے۔ تخیل زیادہ ہوتا ہے۔ خشک چیزوں کے بجائے تر چیزوں کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے۔ موسم خزاں تکلیف دہ ہوتا ہے۔ گرم پانی اور لطیف روغن جلد بدن سے آسانی کے ساتھ جذب ہو جاتے ہیں۔

رطب المزاج اس مزاج کے حامل افراد میں تقریباً وہی علامتیں ملتی ہیں جو بارد المزاج اشخاص میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری علامات بھی ہیں مثلاً بدن میں تہیج ہوتا ہے۔ لعاب دہن کی کثرت اور ناک سے رطوبت کا اخراج زیادہ ہوتا ہے۔ ترشیا طبیعت کو نامرغوب ہوتی ہیں۔ نیند زیادہ آتی ہے۔ اسہال اور بدہضمی کی اکثر شکایت رہتی ہے۔ پپوٹوں پر تہیج ہوتا ہے[1]

امزجۃ الاعضاء بدن انسان کے جملہ اعضاء کا مزاج الگ الگ ہے کیونکہ قدرت نے ہر عضو کا مزاج اس کے طبعی افعال کے لحاظ سے متعین کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اعضاء کے افعال مختلف ہیں اس لئے ان کے مزاج بھی مختلف ہوئے۔ اگر تمام اعضاء کا مزاج ایک ہوتا تو ان سے جسمانی حاجات کے مطابق مختلف النوع افعال صادر نہیں ہو سکتے تھے اور نتیجۃً بدنی نظام مختل ہو جاتا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہر عضو کے مزاج کو الگ الگ کیسے معلوم کیا جائے۔ اطباء متقدمین نے مزاج اعضاء کا تعین ان کے اجزائے ترکیبی اور ان کے طبعی افعال کی بنیاد پر کیا ہے مثلاً قلب کے مزاج کو حار رطب[2] کہا گیا ہے کیونکہ یہ خون کا مخزن اور

---

[1] یہ علامت اسی وقت ملتی ہے جب بدن میں رطوبت کا اجتماع زیادہ ہو جاتا ہے اور گردے اس زائد رطوبت کے اخراج سے قاصر رہتے ہیں۔ ایسے اشخاص میں گردے کا فعل سست ہوتا ہے اس لئے بھی بدن میں زائد رطوبت جمع ہو جاتی ہے۔

[2] ہمارے نزدیک مزاج کیفیات اربعہ کے بجائے مقادیر (بقیہ حاشیہ)

روح حیوانی کا مرکز تولید ہے[1]۔ اسی طرح دماغ کا مزاج سرد ہے کیونکہ اس کا بڑا حصہ مغز و اعصاب پر مشتمل ہے اور یہ سرد اعضاء ہیں۔ اس کے بارد المزاج ہونے کی ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ دماغ میں خون کی رگیں زیادہ ہیں اور ان میں خون کی گردش بھی دوسرے اعضاء کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اگر دماغ کا مزاج گرم ہوتا تو یہ خون کی گرمی سے مزید گرم ہو کر اس کے افعال کے لئے مضرت رساں ثابت ہوتا[2]۔ اسی طرح جگر کا مزاج گرم و تر ہے کیونکہ اس میں گوشت اور خون کے اجزاء زیادہ ہیں[3]۔ اس کے علاوہ اس میں شریانیں بھی زیادہ ہیں۔ علامہ ابن رشد نے اعضاء مشابہہ کے مزاج بیان کرتے ہوئے لکھا ہے[4]:

"ہڈیوں کا مزاج سرد و خشک ہے اسی طرح غضاریف، ناخن، بال، رباطات، اوتار، اعصاب، عروق اور اغشیہ کے مزاج بھی سرد و خشک ہیں ۔۔۔ برودت و یبوست کے اعتبار سے یہ باہم ایک دوسرے سے کمی بیشی کا اختلاف رکھتے ہیں چنانچہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان میں سب سے زیادہ

بقیہ حاشیہ) عناصر کی نسبت امتزاج سے عبارت ہے اس لیے جہاں رطب و یابس کے الفاظ آئیں ان کو اطباء متقدمین کے خیال پر محمول کریں۔ ہمارے نزدیک ہر عضو کا مزاج یا تو حار ہو گا اور یا اسی کی نسبت سے بارد۔ اور ان دونوں کا جو طبی مفہوم ہے ہم اس کو بیان کر چکے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی جان لیں کہ کسی عضو کو رطب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اجزائے مائیہ زیادہ ہیں۔ اسی طرح عضو یابس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اجزائے مائیہ بہت کم ہیں۔ اگر اجزائے مائیہ کا فقدان ہو جائے تو وہ عضو فنا ہو جائے گا۔

[1] حکیم عبداللطیف فلسفی نے قلب کے عضو حار ہونے کے دلائل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
"قلب ہی خون میں لطافت پیدا کرتا ہے اور روح بناتا ہے، خون گرم ہے اور گرم چیز کے اندر لطافت پیدا کرنے والے میں گرمی زیادہ ہونی چاہیئے کیونکہ لطافت بغیر گرمی کے ممکن نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلب خون سے زیادہ گرم ہے اور خون چونکہ تمام جسم انسانی سے زیادہ گرم ہے اس سے ثابت ہوا کہ قلب تمام جسم میں گرم ترین عضو ہے۔"

ملاحظہ فرمائیں: تجدید طب ص۱۳۰

[2] یہ دلیل صحیح نہیں ہے اس سے تو قلب کے عضو حار ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

[3] مزاج کبد کے حار ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ وہ کیلوس کو طبخ [illegible] فعل طبخ حرارت [illegible]

خشک بال ہیں اس کے بعد ہڈی پھر غضروف پھر رباط پھر وتر پھر غشا پھر شریانیں پھر وریدیں اور پھر اعصاب برودت کے اعتبار سے سب سے زیادہ سرد بال ہیں پھر ہڈی پھر غضروف پھر رباط پھر وتر پھر غشا پھر اعصاب پھر وریدیں اور اس کے بعد شریانیں۔ وہ اعضا جن میں حرارت و رطوبت کا غلبہ ہے وہ خون گوشت اور ارواح ہیں[3] اور یہ بھی حرارت و رطوبت میں فرق مراتب رکھتے ہیں چنانچہ سب سے گرم ارواح اس کے بعد خون پھر گوشت ہے اسی طرح سب سے زیادہ رطب عضو روح اس کے بعد خون پھر گوشت ہے وہ اعضا جو بارد رطب ہیں وہ بالترتیب چربی سمین اور مخ کا گودا دماغ ہیں۔۔۔ اعضا بسیطہ کا مزاج معلوم ہو جانے کے بعد اعضائے مرکبہ میں سے ہر عضو کے مزاج کو آسانی کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔[4]

اقتباس بالا سے مزاج اعضاء کے متعلق اطباء متقدمین کا نقطۂ نظر واضح ہو گیا۔ راقم طور کے نزدیک کسی عضو کے مزاج کو متعین کرنے کے لئے درج ذیل امور ثلاثہ کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) اس میں کیمیاوی تغیر و استحالہ کی نوعیت و رفتار

(۲) اس میں خون کی مجموعی مقدار (۳) اس کی طبعی یا غیر طبعی حرکت

ان مذکورہ اصولوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اعضاء گرم ہیں: قلب جگر، عضلات، طحال، گردہ، دماغ[11]، نخاع، معدہ، امعاء، رحم، مرارہ، مثانہ، بانقراس شحم[12]، غدد، پھیپھڑے، شرائین، اوردہ، اغشیہ مخاطیہ اور جلد۔

ہمارے اطباء نے قلب کو سب سے زیادہ گرم عضو تسلیم کیا ہے اور اس کے بعد جگر کو۔ اگرچہ جگر میں کیمیاوی تغیرات و استحالات غذائیہ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اس پہلو سے قلب سے اس کا کوئی موازنہ و مقابلہ نہیں لیکن اس کے باوجود چونکہ قلب ہر وقت متحرک رہتا ہے اور اس کے جوف میں خون کی مجموعی مقدار بھی جگر سے زیادہ ہوتی

پچھلے صفحہ کا[3] بے بغیر ممکن نہیں لیکن یہ بمقابلہ قلب کے کم گرم ہوتا ہے۔

[4] کتاب الکلیات۔ ص ۳۵۔

[5] ان کی برودت غلبۂ ارضیت اور قلت خون کی وجہ سے ہے۔

[6] خون اور ارواح کا شمار اعضاء میں نہیں ہوتا۔ اس غلطی کا ارتکاب شیخ الرئیس نے بھی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو القانون ج ۱ ص ۳۳۔

[11،12] اطباء متقدمین نے دماغ اور شحم کا مزاج سرد بتایا ہے لیکن ہمارے نزدیک گرم اعضاء ہیں۔

ہے اس لئے وہ یقیناً جگر سے زیادہ گرم ہے۔ مذکورہ بالا اصول مثلاً ذکی روشنی میں ہر عضو کا درجہ باعتبار حار ہونے کے متعین کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ اعضاء، اعضائے باردہ کی فہرست میں داخل ہیں کیونکہ اعضائے حارّہ کے مقابلے میں ان میں خون کی گردش اور کیمیاوی تغیرات کم ہوتے ہیں: بال، ہڈی، غضروف، رباط، وتر، غشاء، اعصاب، ناخن اور دانت وغیرہ۔ ہمارے اطباء نے شرائین اور اوردہ کو بھی جیسا کہ ابن رشد کی مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے، اعضاء باردہ میں شمار کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

اعضائے رطب و یابس کا تعین ان کی لینت و صلابت کی بنیاد پر کیا جائے گا اگر عضو نرم اور لچکدار ہے تو وہ رطب کہلائے گا چنانچہ شحم، دماغ، نخاع، شرائین، اشحیں اور دیگر غدد، بانقراس، طحال، جگر، گردہ، غشاء مخاطی، معدہ، امعاء، رحم، پھیپھڑے، قلب اور وریدیں اعضاء رطبہ ہیں۔ اسی طرح جو عضو سخت ہے وہ عضو یابس کہلائے گا اس اعتبار سے بال، ہڈی، غضروف، وتر، اعصاب اور شرائین اعضائے یابسہ ہیں۔

امزجۂ اصناف[1] یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کے مزاج کی تشکیل میں دوسرے عوامل کے ساتھ جغرافیائی ماحول اور آب و ہوا کا بھی کافی اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک کے باشندوں کے مزاج میں باہم کافی فرق ہوتا ہے کسی ملک کے باشندے حارّالمزاج ہیں تو کسی ملک کے باردالمزاج اور کسی ملک کے معتدل المزاج۔

قدیم علماء جغرافیہ زمین کو ربع مسکون کہتے تھے (ربع، چوتھائی، مسکون یہاں) کیونکہ ان کے خیال کے مطابق زمین کا صرف چوتھائی حصہ آباد ہے۔ اس ربع مسکون کو انھوں نے سات مساوی حصوں یا اقالیم میں تقسیم کیا ہے۔ یہ ساتوں اقالیم خط استوا[2]

---

1 اکثر اطباء نے مزاج اقلیم یا امزجۂ اقالیم کی اصطلاح استعمال کی ہے جو صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اقلیم کا کوئی مزاج نہیں ہوتا۔

2 خط استواء وہ فرضی خط (IMMAGINARY CIRCLE) ہے جو کرۂ زمین کے گرد (PERPENDICULAR TO AXIS) کرۂ ارض کے وسط سے گزرتا ہوا اس کو محور پر عمود ہو

(EQUATOR) کے شمال میں درجہ بدرجہ واقع ہیں اور قطب شمالی پر جاکر ختم ہوتی ہیں[1]
ربع مسکون کی اس اقلیمی تقسیم میں تھوڑا فرق ہے قدیم علماء جغرافیہ کے ایک گروہ نے ۲۴ درجے قطب شمالی کے قریب چھوڑ کر باقی ۶۶ درجے تک ساتوں اقالیم کو تقسیم کیا ہے ۲۴ درجے قطب شمالی کی طرف اس لیے چھوڑ دیئے ہیں کہ وہ غیر آباد ہے (شکل-۱)۔

لیکن دوسرے گروہ نے ربع مسکون کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ اس کے ۹۰ درجات میں سے ۳۰ درجے قطب شمالی کی طرف اور دس درجے خط استواء کے قریب چھوڑ دیئے ہیں اور باقی ۵۰ درجات تک ساتوں اقالیم کو بانٹ دیا ہے[2] (شکل-۲)

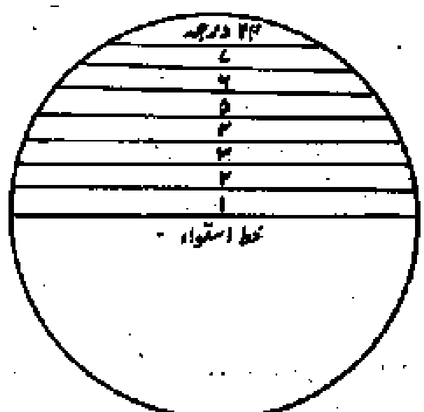

(شکل-۱)

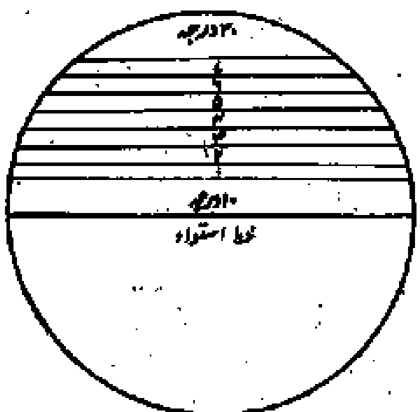

(شکل-۲)

بقیہ پچھلے صفحہ کا) دو مساوی حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے یا اس کا مرکز، مرکز ارض کی حیثیت رکھتا ہے اور زمین کا سب سے طویل محیط (CIRCUMFERENCE) بھی ہے۔ اس کو خط استواء اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں دن رات تقریباً مساوی ہوتے ہیں۔ استواء کے لفظی معنی برابر ہونے یا سیدھا کھڑا ہونے کے ہیں۔

[1] علماء جغرافیہ نے پورے کرۂ ارض کو ۳۶۰ درجات میں تقسیم کیا ہے اور اس کا ¼ حصہ ۹۰ درجے کا ہے۔ اسی ¼ کو جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سات اقالیم پر تقسیم کیا گیا ہے۔

[2] کرۂ ارض کی یہ قدیم تقسیم صحیح نہیں ہے۔ قدیم علماء جغرافیہ نے اس باب میں متعدد غلطیاں کی ہیں مثلاً
بقیہ اگلے صفحہ پر

جدید اقلیمی تقسیم

جدید جغرافیہ کے مطابق کرۂ ارض کو خط استواء سے شمالاً اور جنوباً تین فرضی خطوں کے ذریعہ تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام خط سرطان[1] (TROPIC OF CANCER) خط جدی[2] (TROPIC OF CAPRICON) اور خط قطب شمالی و جنوبی (SOUTH POLE AND NORTH POLE) ہیں۔ خط سرطان، خط استواء سے ۲۳ ½ درجہ شمال میں، خط جدی ۲۳ ½ درجہ جنوب میں، خط قطب شمالی ۶۶ ½ درجہ شمال میں اور خط قطب جنوبی ۶۶ ½ درجہ جنوب میں واقع ہیں۔ خط سرطان اور خط جدی کے درمیان جو خطۂ ارض واقع ہے یعنی خط استواء سے ۲۳ ½ درجے شمال اور جنوب میں اسے بالترتیب شمالی منطقہ حارہ (NORTH HOT REGION) اور جنوبی منطقہ حارہ (SOUTH HOT REGION) کہتے ہیں، اسے TORRID ZONE بھی کہتے ہیں۔ اس زون کے اندر سال میں دو مرتبہ سورج سمت الراس میں آجاتا ہے اس کی شعاعیں کبھی بہت ترچھی نہیں پڑتیں اس لیے موسم عام طور پر گرم رہتا ہے۔ اس منطقہ میں ۳۰ عرض بلد (LATITUDE) شمال و جنوب کا علاقہ بھی آجاتا ہے۔

پچھلے صفحہ کا بقیہ: ایک غلطی یہ ہے کہ زمین کا صرف ایک چوتھائی حصہ آباد دکھایا گیا ہے، دوسری غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اقالیم کی تقسیم صرف شمالاً کی ہے گویا خط استواء کے جنوبی حصے میں ان کے نزدیک کوئی اقلیم واقع نہ تھی، تیسری غلطی یہ ہے کہ ہفت اقالیم سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس اقلیم میں کون سا ملک واقع ہے اور چوتھی غلطی یہ ہے کہ خط استواء کو شرقاً غرباً کھینچنے کے بجائے شمالاً جنوباً کھینچا ہے جو ایک فاش غلطی ہے۔ ان وجوہ سے مناسب یہی ہے کہ اقالیم کی اس قدیم جغرافیائی تقسیم سے اب ہم دست کش ہو جائیں اور جدید اقلیمی تقسیم کو قبول کر لیں کیونکہ اس کے بغیر ہم امرجہ اصناف کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

[1] خط سرطان وہ فرضی خط ہے جو خط استواء سے ۲۳ ½ درجے شمال میں عرض بلد کے متوازی واقع ہے اور یہ اس انتہائی شمالی پوزیشن کو ظاہر کرتا ہے جس پر سورج دوپہر میں سمت الراس میں ہوتا ہے۔ موسم گرما میں سورج کی کرنیں یہاں عمودی طور پر (VERTICALLY) پڑتی ہیں۔

[2] وہ خط ہے جو خط استواء سے ۲۳ ½ درجہ جنوب میں عرض بلد کے متوازی واقع ہے اور یہ اس انتہائی جنوبی پوزیشن کو ظاہر کرتا ہے جس پر سورج دوپہر کے وقت براہ راست سمت الراس میں

بقیہ اگلے صفحہ پر

خط سرطان اور خط قطب شمالی کے درمیان جو خطہ ارض ہے وہ شمالی منطقہ معتدل اور خط جدی اور خط قطب جنوبی کا درمیانی علاقہ جنوبی منطقہ معتدل کہلاتا ہے۔ اس خطے میں گرمی معتدل ہوتی ہے کیونکہ یہاں سورج کی کرنیں کچھ ترچھی پڑتی ہیں۔ خط قطب شمالی کے شمال میں واقع قطب شمالی اور خط قطب جنوبی کے جنوب میں واقع قطب جنوبی کے علاقے نہایت ہی سرد ہیں اس لیے وہ بالترتیب شمالی منطقہ باردہ (NORTH ICY REGION) اور جنوبی منطقہ باردہ (SOUTH ICY REGION) کہلاتے ہیں (شکل - ۳) ان منطقوں کے سرد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سورج کی کرنیں بہت زیادہ ترچھی پڑتی ہیں۔

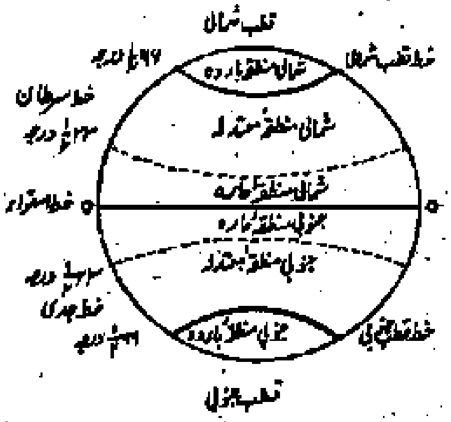

(شکل - ۳)

معتدل ترین منطقہ[۱] (اقلیم)

ہم نے شروع میں جن سات اقالیم کا تذکرہ کیا ہے ان میں معتدل ترین اقلیم کون ہے اس میں قدیم علماء جغرافیہ کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ خط استواء کے آس پاس کا علاقہ معتدل ترین ہے اور اس کے باشندوں کا مزاج بھی معتدل ترین ہے، اس کے بعد اقلیم چہارم اور اس کے باشندوں

بقیہ حاشیہ ہوتا ہے، موسم سرما میں یہاں سورج کی کرنیں عمودی طور پر پڑتی ہیں۔

۱ ہم نے اقلیم کے بجائے منطقہ کا لفظ استعمال کیا ہے جو زیادہ موزوں ہے اور جدید جغرافیہ کے مطابق بھی۔ یہ منطقے تعداد میں چھ ہیں جیسا کہ شکل - ۳ سے واضح ہے۔

کا درجہ ہے۔ اس گروہ کا سرخیل ابن سینا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اقلیم چہارم معتدل ترین ہے اور خط استواء کے قریب کا علاقہ یعنی اقلیم اوّل سب سے زیادہ گرم ہے۔ اس گروہ کے ترجمان امام رازی ہیں۔

موخر الذکر گروہ کے نزدیک اقلیم چہارم اس لیے معتدل ہے کہ یہ سب سے زیادہ آباد اور سرسبز و شاداب ہے، یہاں اشجار و نباتات اور پھلوں اور ترکاریوں کی کثرت ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کے باشندے تندرست و توانا، جری و حسین اور طویل العمر ہوتے ہیں کیونکہ اس اقلیم کی آب و ہوا عمدہ صحت کے لیے سازگار ہوتی ہے۔ یہاں نہ تو اقلیم اوّل و ثانی کی طرح زیادہ گرمی ہوتی ہے اور نہ اقلیم خامس و سادس کی طرح بہت زیادہ سردی بلکہ گرمی و سردی تقریباً پورے سال معتدل رہتی ہے اور یہ اعتدال موسم جسمانی نشوونما کے لیے نہایت عمدہ ہوتا ہے۔

اوّل الذکر گروہ کی رائے کہ خط استواء کے پاس کی اقلیم معتدل ہوتی ہے، صحیح نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے کے باشندے ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے اقلیم چہارم کے مقابلے میں فروتر ہوتے ہیں، آبادی اور نباتات کی بھی قلت ہوتی ہے اور اس کا سبب اس خطے کی غیر معتدل گرمی ہے۔

خط استواء کی قریبی اقلیم کے معتدل ہونے کی شیخ نے یہ دلیل دی ہے کہ یہاں دن رات چھوٹے بڑے نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ برابر ہوتے ہیں۔ چونکہ سورج یہاں کے باشندوں کے سر کی سیدھ (سمت الراس) میں زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہتا بلکہ جلد ہی ہٹ جاتا ہے اس لیے موسم گرما میں یہاں زیادہ گرمی نہیں ہوتی لیکن سورج سمت الراس سے زیادہ دور نہیں ہٹتا اس لیے موسم سرما کی سردی بھی یہاں زیادہ نہیں ہوتی اس طرح دونوں موسم معتدل رہتے ہیں۔[لہ] شیخ کی یہ دلیل نہایت کمزور ہے اور علم جغرافیہ سے اس کی عدم واقفیت کا ثبوت بھی۔

شیخ کے خیال کے برخلاف صورت واقعہ یہ ہے کہ خط استواء کے قریبی خطے میں (۵ سے ۱۰ عرض بلد میں) پورے سال حرارت اور رطوبت یکساں طور پر بہت

لہ القانون فی الطب 18 ص ۴۰

زیادہ ہوتی ہے اور تغیر فصول بہت کم ہوتا ہے۔ عام طور سے درجۂ حرارت ۸۰ سے فارن ہائٹ (۲۷ - ۲۵ سی) رہتا ہے بارش پورے سال بہت زیادہ ہوتی ہے جس کے نتیجے میں جنگلات کی کثرت ہوتی ہے۔[1]

جدید علم جغرافیہ کے مطابق جب یہ مان لیا گیا کہ خط قطب شمالی اور خط قطب جنوبی کے بعد کے منطقے (اقلیم) سرد ہیں اور خط استواء کے قریب کا علاقہ یعنی خط سرطان اور خط جدی کا درمیانی علاقہ گرم ہے (منطقۂ حارہ شمالی و جنوبی) تو پھر خط سرطان اور خط قطب شمالی اور خط جدی اور خط قطب جنوبی کے درمیان کے علاقے یقیناً معتدل منطقے (شمالی منطقۂ معتدل و جنوبی منطقۂ معتدل) ہوں گے (شکل — ۱، ۲) اور ان علاقوں کے باشندے بھی باعتبار مزاج (جسمانی و ذہنی دونوں طرح) معتدل ہوں گے۔

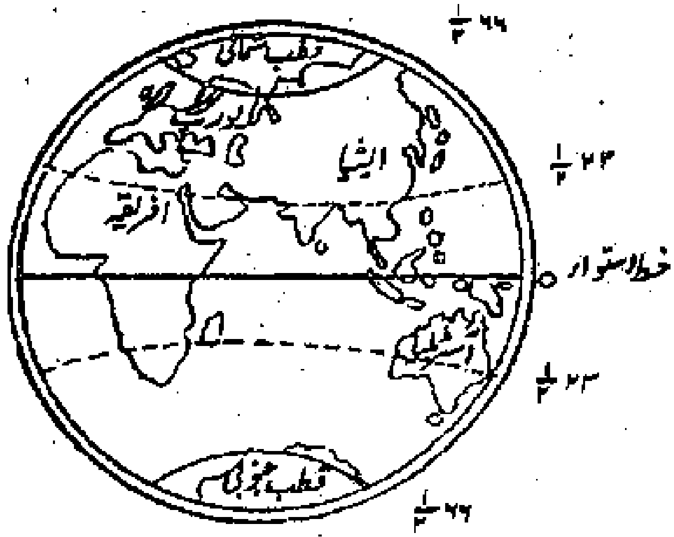

(شکل — ۱)

[1] A DICTIONARY OF GEOGRAPHY, W.G.MOORE, P.75

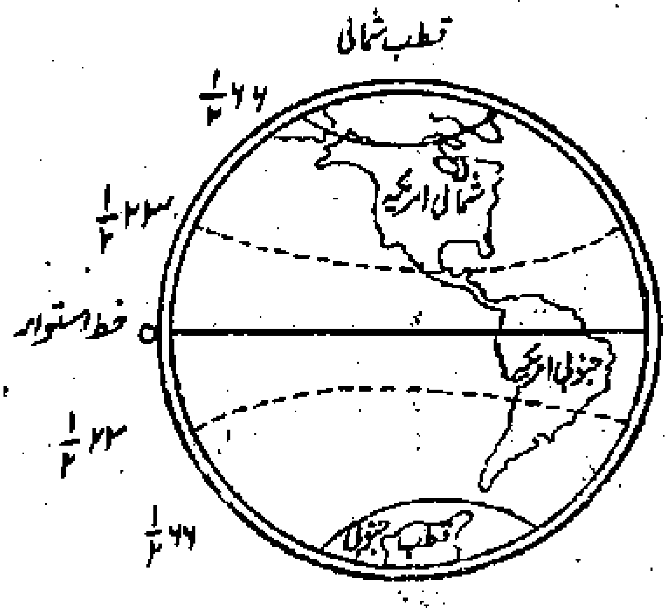

(شکل — ۲)

مذکورہ تصوّرِ مزاج پر ایک تنقیدی نظر

گذشتہ صفحات میں مزاج کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اطباء مزاج کا لفظ بول کر کیفیت یا کیفیات مراد لیتے ہیں۔ مرکبات میں ان کیفیات کا تعلق عناصر اربعہ سے اور بدن انسان میں اخلاط سے ہے۔ دوسرے لفظوں میں مرکب میں عناصر کی کیفیات مضادہ سے مزاج بنتا ہے اور انسانی مزاج کی تشکیل میں عناصر کی جگہ اخلاط اور ان کی کیفیات کو حاصل ہے۔

مزاج کا یہ کیفی تصوّر غلط ہے۔ جہاں تک عناصر میں کیفیات اربعہ کی موجودگی کی بات ہے اس پر اب مزید اصرار صحیح نہیں، جدید علم کیمیا کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ عناصر میں ان کیفیات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس لیے اطباء نے مرکب کے مزاج کی جو تعریف کی ہے وہ خود بخود غلط ہو جاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مرکبات کی تشکیل میں عناصر کے درمیان ہونے والے فعل وانفعال کی کیفیت کو علم کیمیا کی مدد ہی سے سمجھا جا سکتا تھا لیکن بدقسمتی سے اطباء نے اسے فلسفہ سے جوڑ دیا۔ جدید علم کیمیا نے تجرباتی طور پر دکھا دیا ہے کہ عناصر کس طرح آپس میں ممزوج و متحد ہو کر مرکبات بناتے ہیں۔ اس لیے مرکبات کی تشکیل میں کیفیات کے وجود پر اصرار کرنا اب حقیقت سے صرف نظر کرنے کے ہم معنی ہوگا۔

جہاں تک انسانی مزاج کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں اطباء کے خیالات حد درجہ غیر واضح ہیں۔ انھوں نے صرف اتنا ہی بتایا کہ مزاج انسانی مقادیر اخلاط کے امتزاج سے بنتا ہے لیکن یہ امتزاج کیسے وقوع میں آتا ہے اس سے انھوں نے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

اس کے علاوہ تعریف مزاج میں ایک واضح تضاد بھی ہے۔ اطباء نے مرکب کے مزاج کی تعریف میں لکھا ہے کہ یہ کیفیت متوسطہ یا متشابہ کا نام ہے لیکن انسانی مزاج میں یہ تعریف بدل گئی ہے۔ یہاں مزاج (معتدل) کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس میں عناصر کی مقداری تقسیم حسب ضرورت بدن ہو۔ دوسرے لفظوں میں بدن کی طبعی ضرورتوں کے مطابق اور اس کے لئے باعث راحت ہو۔ حالانکہ اس کی تعریف یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس میں کیفیات اخلاط مساوی حالت میں ہوں یعنی کسی ایک کیفیت کو غلبہ حاصل نہ ہو۔

مزاج اصناف انسان اور مزاج اقالیم کے بیان میں بھی مزاج کا کیفی تصور ہی غالب ہے۔

مزاج کے بارے میں صحیح نقطہ نظر

مزاج کے سلسلے میں سب سے پہلے ہم کو کیفیات اربعہ کے قدیم تصور سے دست بردار ہونا ہوگا اور جدید علم کیمیا نے اس سلسلے میں جو تحقیقات کی ہیں ان کی روشنی میں مزاج کی از سر نو تعریف کرنی ہوگی۔

مزاج کا حقیقی مفہوم

موجودہ علم کیمیا کے مطابق عناصر کے چھوٹے چھوٹے اجزاء (جوہر - ATOMS) آپس میں جن اسباب سے ملتے ہیں وہ ان کی اندرونی ترکیب ہے۔ ہر جوہر کی ترکیب مختلف ذرات سے مل کر ہوتی

ہے۔ان میں ایک مرکزہ (NUCLEUS) ہوتا ہے جس میں مثبت برقی پارے (پروٹان) ہوتے ہیں اور اس کے گرد منفی برقی پارے (الکٹران) دائروں کی شکل میں گردش کرتے ہیں۔ان میں سے جو منفی برقی پارے بیرونی دائرے (OUTER CIRCLE) میں گردش کرتے ہیں وہی مرکبات کے بنانے میں حصہ لیتے ہیں اور جو منفی برقی پارے اندرونی دائروں یا غلافوں (SHELL) میں ہوتے ہیں وہ جوہر کے خواص کو قائم رکھتے ہیں (اسی کو طب یونانی میں صورت نوعیہ کہتے ہیں) ہر جوہر میں منفی برقی پاروں کی تعداد الگ الگ ہوتی ہے۔ جن جوہروں میں ان کی تعداد آٹھ سے کم ہوتی ہے وہ کمی تعداد کی وجہ سے مضطرب رہتے ہیں اور ان کا یہی اضطراب انھیں دوسرے عناصر کے جوہروں سے ملنے کا باعث ہوتا ہے۔جب اس قسم کے جوہر دوسرے عناصر کے جوہروں سے منفی برقی پارے لے کر کمی تعداد کو پورا کر لیتے ہیں یعنی آٹھ ہو جاتے ہیں تو ان کا اضطراب ختم ہو جاتا ہے اور اس طرح مرکبات وجود میں آتے ہیں مثلاً نمک (سوڈیم کلورائڈ) کو لے لیں۔ یہ دو عناصر، سوڈیم اور کلورین کے جوہروں سے مرکب ہوتا ہے۔کلورین کے خارجی منفی برقی پاروں کی تعداد سات ہے، جب یہ سوڈیم کے ساتھ مرکب ہوتا ہے تو اس کے ایک منفی برقی پارہ کو لے لیتا ہے اور اس طرح ان کی تعداد آٹھ ہو جاتی ہے اور باہمی طور ایک نیا مرکب سوڈیم کلورائڈ نمک وجود میں آتا ہے۔ لیکن خواص کے اعتبار سے وہ سوڈیم اور کلورین دونوں کے خواص سے قطعاً مختلف ہوتا ہے بالفاظ دیگر اس میں نہ سوڈیم کے خواص باقی رہتے ہیں اور نہ کلورین کے بلکہ نئے خواص کی حامل ایک تیسری شے بن جاتی ہے جو اس کے مخصوص مزاج یعنی مخلوط عناصر کی ہیئت ترکیبی کے مطابق ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مزاج نام ہے عناصر یا اُسطقسات کی ایک مخصوص ہیئت ترکیبی کا یعنی کسی مرکب کے مزاج کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس میں عناصر کس مقدار و تناسب اور جوہری ترتیب سے ممزوج ہوئے ہیں۔اس امتزاج سے مرکب میں جو نئے خواص پیدا ہوتے ہیں وہ عناصر ممزوجہ کے خواص سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ مرکب

[illegible] RELATIONSHIP OF INTERMIX[illegible] کہہ سکتے ہیں۔

کے خواص اس وقت تک اپنی اصلی حالت پر باقی رہتے ہیں جب تک مرکب میں عناصر کی مطلوبہ ہیئت ترکیبی قائم رہتی ہے لیکن جس وقت اس ہیئت میں بگاڑ کا عمل شروع ہوتا ہے تو مرکب کے خواص و افعال میں بھی بگاڑ کی نسبت سے فرق آنا شروع ہو جاتا ہے اور اگر یہ ہیئت ترکیبی مکمل طور پر بگڑ جائے تو اس مرکب کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔

یہاں یہ بات واضح کر دوں تو اچھا ہے کہ میں مرکبات میں کیفیات کے حسی وجود (SENSUAL EXISTANCE) کو مانتا ہوں۔ چنانچہ اگر ہم کسی مرکب کو ہاتھ سے چھوئیں تو وہ لامحالہ یا تو گرم محسوس ہوگا یا سرد و خشک یعنی سخت محسوس ہوگا یا تر (نرم) مرکب کی یہ چاروں ظاہری حالتیں یا کیفیات ظاہرہ دراصل مرکب کی اندرونی یا عنصری اندازِ تعبیر میں عناصر کی نسبت ترکیب یا ہیئت ترکیب کو ظاہر کرتی ہیں۔

اگر مرکب چھونے میں گرم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ناری عناصر (اسطقسات ناریہ) زیادہ ہیں۔ اور اگر سرد ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرکب میں عناصر ناریہ قلیل التعداد یا قلیل المقدار ہیں۔ اگر مرکب خشک ہے تو یہ اس بات کا اظہار ہے کہ اس میں مائی عناصر کی کمی ہے یا وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مرکب تر یعنی نم ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں مائی عناصر کی مقدار زیادہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حسی کیفیات مرکب کے مخصوص مزاج یعنی عناصر کی ہیئت ترکیبی کے مظہر کی حیثیت رکھتی ہیں ان کو فی نفسہ مزاج سمجھ لینا جیسا کہ ماضی میں اطباء نے سمجھا ہے، ایک فاش غلطی ہے۔

مزاج انسانی

اوپر ہم نے جو بحث کی ہے اس کا تعلق غیر عضوی مرکبات کے مزاج سے تھا۔ اب ہم انسانی مزاج پر گفتگو کریں گے۔

کائنات کی دیگر اشیاء کی طرح انسان کا بدن بھی عناصر سے مرکب ہے لیکن یہ عناصر سادہ صورت میں نہیں ملتے بلکہ مختلف مرکبات کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ ان مرکبات کے کیمیاوی تجزیہ و تحلیل سے ان عناصر کی تعداد و مقدار ترکیب کو معلوم کیا جا سکتا ہے اور یہ معلوم بھی کر لیے گئے ہیں۔ لیکن باعتبار عناصر ہر شخص کے بدنی یا عضوی مزاج کو معلوم کرنا عام حالات میں ایک مشکل کام ہے۔ اس مقصد کے لیے کچھ بدنی علامات کا تعین، ناگزیر ہے جن کو دیکھ کر معلوم ہو سکے کہ بدن یا اس کے کسی عضو کا

مزاج کیا ہے

[illegible]

[illegible] اطباء متقدمین نے اس مقصد کے لیے کیفیات اربعہ کی اصطلاحات وضع کی تھیں ان اصطلاحات کا مزاجی مفہوم تو اب غلط ثابت ہو چکا ہے لیکن ان کیفیات کا حسی وجود اب بھی باقی ہے [illegible] ان کی ضرورت ہے [illegible] اس لیے کسی عضو کے عنصری مزاج کو معلوم کر سکتے ہیں یعنی [illegible] کس نوع کے عناصر موجود ہیں

[illegible]

مزاج کا عنصری تصور (ELEMENTAL CONCEPT OF TEMPERAMENT)

[illegible]

مزاج کا عنصری تصور ایک ایسا ہی تصور ہے [illegible] کیا جاتا ہے [illegible] یہ ہے کہ مزاج کے عنصری تصور کو قبول کر لینے میں کوئی واضح دشواری حائل نہیں ہے [illegible] اخلاط کیا ہیں [illegible] عناصر کی متبدل صورت [illegible] معلوم ہے کہ جسم میں اخلاط کی پیدائش [illegible] غذا [illegible] اور غذا [illegible] مرکبات پر مشتمل ہوتی [illegible] اخلاط کی صورت میں [illegible] اور ان کے مرکبات ہی موجود ہوتے ہیں [illegible]

اخلاط اربعہ (خون، صفرا، بلغم، سودا) [illegible] عناصر (ہوا، آگ، پانی، مٹی) کے قائم مقام ہیں [illegible] خون [illegible] صفرا [illegible] پانی کی جگہ بلغم اور مٹی کی جگہ سودا [illegible] مزاج گرم [illegible] تو خون کا [illegible] مزاج سرد و تر ہے تو بلغم کا مزاج بھی سرد و تر ہے [illegible]

[illegible]

[illegible] بدلی ہوئی ہوتی ہے [illegible]

[illegible]

وہی بھی اطباء کو خلطی مزاج ہی کے نام سے کی تعبیر سمجھتا تھا [illegible]

مزاج کے خلطی تصور کی جگہ عنصری تصور کی جانب منتقل ہونے کی وجہ سے [illegible] پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مزاج کے عنصری تصور کی یا تفتیش تشریح آسان ہے دوسری وجہ یہ کہ مزاج کی خلطی اور معنوی [illegible] اصطلاحات (حار، بارد، رطب، یابس) سے مزاج کے حقیقی مفہوم [illegible] عنصری اصطلاحات [illegible] مزاج ناری اور مزاج ارضی وغیرہ [illegible] حقیقی [illegible] کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ان وجوہ [illegible] مزاج کا عنصری تصور زیادہ صحیح اور حقیقت واقعہ کے مطابق ہے۔ [illegible]

مزاج کی حقیقی تقسیم

بدن کا ہر عضو [illegible] عنصری ترکیب رکھتا ہے جب تک [illegible] ترکیب باقی رہتی ہے افعال بدن میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا لیکن جس وقت [illegible] کی طبعی ترکیب میں کوئی بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو [illegible] افعال میں بھی بگاڑ کی نسبت سے خرابی آجاتی ہے۔ [illegible] حالت کو مزاج معتدل اور [illegible] حالت کو مزاج غیر معتدل کہتے ہیں۔ مزاج [illegible] کی دو قسمیں [illegible] (۱) مزاج غیر معتدل ساذج (۲) مزاج غیر معتدل مادی [illegible]

یہ وہی تقسیم ہے جسے اطباء متقدمین [illegible] مزاج سادہ اور [illegible] کہتے ہیں [illegible]

۲۱۔ مزاج کی خلطی اصطلاحات ہوں یا کیفی اصطلاحات دونوں ہی کی حیثیت جسم کے حقیقی مزاج (عنصری مزاج) کے مظہر کی ہے یعنی ہم ان کی مدد سے جان سکتے ہیں کہ بدن یا اس کے کسی عضو کا عنصری مزاج کیا ہے مثلاً مزاج حار کی اصطلاح بول کر اطباء یہی تو مراد لیتے ہیں کہ بدنی حرارت حد اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے۔ غیر مرضی حالت میں [illegible] زیادہ گرم ہونا دراصل اس بات کی علامت ہے کہ بدن میں عناصر ناریہ کو غلبہ حاصل ہے۔ اسی طرح صفراوی مزاج سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ بدن میں صفراء غالب ہے اور صفراء کے غلبہ کا مطلب بھی عناصر ناریہ کا غلبہ ہے۔

۲۲۔ بشرطیکہ اطباء کرام ان اصطلاحات کو قبول کر لیں [illegible]

لیکن مفہوم مختلف ہے۔ مزاج غیر معتدل سادہ سے وہ مزاج مراد ہے جس میں عنصری عدم اعتدال اس حد تک نہ پہنچے جس سے افعال بدن میں خلل واقع ہو جاتے۔ اور غیر معتدل مادی وہ مزاج ہے جس میں بدنی افعال میں نمایاں خلل آجاتا ہے جیسا کہ امراض میں دیکھا جاتا ہے

ہم نے اوپر مزاج معتدل و غیر معتدل کی جو تشریح کی ہے اس کی تائید شارح قانون علامہ علاءالدین قرشی کی درج ذیل تشریح سے بخوبی ہوتی ہے[1]:

"معتدل کا لفظ عدل فی القسمۃ سے مشتق ہے جس کا مطلب تقسیم میں انصاف سے کام لینا ہے جس سے یہ مراد ہے کہ جس مرکب میں جو عناصر داخل ہیں اگر ان کا تناسب اور توازن مرکب کے ضروری افعال اور خصوصیات کے مطابق ہے تو اسی کو مزاج معتدل کہیں گے۔ طب میں اسی کو معتدل طبی کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے عام حیوانات، نباتات اور جمادات کو معتدل تسلیم کیا جائیگا بشرطیکہ وہ طبعی حالت پر ہوں۔ اسی طرح تمام اعضاء (یعنی ہڈی) کری، گوشت اور چربی وغیرہ کو معتدل سمجھا جائے گا لیکن شرط یہی ہے کہ وہ عناصر کے طبعی تناسب پر قائم ہوں۔ اگر کسی مرکب میں عناصر کا طبعی اور موزوں تناسب قائم نہیں ہے تو اسے غیر معتدل سمجھا جائے گا۔ اس حالت میں اس مرکب کے افعال صحیح نہیں رہتے ان میں خلل آجاتا ہے۔ اگر وہ مرکب انسان، حیوان یا نباتات ہے تو اس کی تندرستی برقرار نہیں رہ سکتی ہے۔"

---

[1] علاؤالدین قرشی، موجزالقانون، مترجمہ کبیر الدین ... ندیم پوری، ص ۳۳

اعضاء

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بدن انسان تین طرح کے اجزاء پر مشتمل ہے، سیال ہوائی اور جامد۔ موخر الذکر یعنی جامد اجزاء اعضاء کہلاتے ہیں۔

عضو کی تعریف | عضو کی جمع اعضاء ہے۔ اعضاء وہ کثیف اجسام ہیں جو اخلاط محمودہ کی ابتدائی ترکیب یعنی رطوبات ثانیہ سے بنتے ہیں ٹھیک اس طرح جیسے عناصر کی ابتدائی ترکیب یعنی نباتات و حیوانات سے اخلاط بنتے ہیں جو کہ رقیق اجسام ہیں۔

ابو سہل مسیحی نے لکھا ہے کہ تمام اعضاء مفردہ ابتداءً منی سے بنتے ہیں اس کے بعد ان کی پرورش خون سے ہوتی ہے۔ ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ جس قوت کے تحت جنین کا جسم بنتا ہے وہ منی کے سخت اجزاء کو الگ کرکے ہڈی بنا دیتی ہے اور اس کے گرم و تر اجزاء کو گوشت میں تبدیل کر دیتی ہے[1]

تقسیم اعضاء | اعضاء بدن کی دو قسمیں ہیں (۱) اعضاء مفردہ (۲) اعضاء مرکبہ۔

اعضاء مفردہ | اعضاء مفردہ کو اعضاء متشابہتہ الاجزاء بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے اجزاء باہم ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں یعنی جو شکل و ساخت جزو کی وہی کل کی بھی ہوتی ہے چنانچہ جو نام اور تعریف اس کے کسی ظاہری اور محسوس جزو پر صادق آتی ہے وہی اس کے کل پر بھی پوری طرح چسپاں ہوتی

---

[1] مائۃ مسیحی / کتاب الاخلاط بحوالہ افادۂ کبیر مفصل ص ۹۸

ہے مثلاً ہڈی کہ اس کے ایک ٹکڑے کو بھی ہڈی کہتے ہیں اور پوری ہڈی کا نام بھی یہی ہے۔ یہی معاملہ غضاریف (کریاں) عضلات (لحم) اعصاب، شحم، اوتار، رباطات، شرائین، اوردہ، عروق شعریہ اور اغشیہ کا بھی ہے اور ان سب کا شمار بھی اعضاء مفردہ میں ہوتا ہے۔ ہم یہاں ان کی تعریف اور ان کے منافع اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عظام عظم کی جمع عظام ہے۔ جسم میں ہڈیوں کے منافع یہ ہیں:

(۱) جسم کے قیام کا ذریعہ ہیں۔
(۲) [illegible] جسم کے بعض اہم اعضاء کی حفاظت کرتی ہیں مثلاً کھوپڑی اور سینہ کی ہڈیاں۔
(۳) بعض اعضاء کے افعال [illegible] کرتی ہیں مثلاً کان کی چھوٹی ہڈیاں [illegible]
[illegible] راستے بناتی ہیں [illegible] مثلاً ناک کی ہڈیاں [illegible]

غضاریف [illegible] غضاریف ہے یہ نرم اور لچکدار ہڈی ہوتی ہے [illegible] کے منافع یہ [illegible] [illegible]

(۱) نرم اور سخت اعضاء میں وصل پیدا کرتی ہیں مثلاً پسلیوں کی کریاں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] حرکت [illegible]
[illegible]
(۳) بعض نرم و نازک اعضاء کو [illegible] مثلاً [illegible]
[illegible] بعض [illegible] راستے بناتی ہیں مثلاً حنجرہ اور قصبۃ الریہ۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

(۴) جسم کے حسن و جمال میں اضافہ کرتا ہے
(۵) بیرونی آفات مثلاً [illegible] جسم کی حفاظت کرتی [illegible]

[illegible] کا مخصوص فعل رطوبات کی تولید ہے مثلاً خصیوں کا گوشت جو رطوبت منویہ پیدا [illegible] کرتا ہے اسی طرح غدد لعابیہ (اللعاب) رطوبت لعابیہ پیدا کرتے ہیں۔

اعصاب

[illegible] عصب کی جمع اعصاب ہے [illegible] یا نخاع ہے۔ اس کی اہم منفعت یہ ہے کہ [illegible] اعضاء میں حس و حرکت پیدا ہوتی ہے [illegible]

شحم و سمین

یہ سفید اور نرم اجسام ہیں جن کے اندر روغنی مادہ جمع رہتا ہے۔ سمین، شحم ہی کی ایک قسم ہے جو اس سے نسبتاً نرم ہوتی ہے اور عموماً گوشت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ اس کے منافع یہ ہیں [illegible]

(۱) جسم میں تولید حرارت کا ایک ذریعہ ہے [illegible]

(۲) حرارت کو اپنے اندر تا دیر محفوظ رکھتی ہے [illegible]

(۳) جسم کے حسن و جمال کے بڑھانے میں گوشت کے ساتھ یہ بھی شریک ہے۔

(۴) اعضاء کو بیرونی حرارت اور برودت سے محفوظ رکھتی ہے بالخصوص [illegible]

(۵) اعضاء کو اپنی وضعیت سے نرم و تر رکھتی ہے اور ان کو خشکی سے بچاتی ہے۔

اوتار

وتر کی جمع اوتار ہے۔ عضلات کا جو حصہ سفید نظر آتا ہے [illegible] ہے جو عموماً عضلہ کے ایک یا دونوں سروں پر پایا جاتا ہے [illegible] کی ترکیب میں رباط اور اعصاب دونوں شریک ہوتے ہیں [illegible] (۶)

رباط

رباط ایک سفید اور چکنا عضو ہے جو دیکھنے میں اعصاب کے مشابہ ہوتا ہے اس کی اہم منفعت ایک ساخت کو دوسری ساخت سے [illegible] ایک ہڈی کو دوسری ہڈی سے باندھے ہیں۔ اس کے علاوہ [illegible] اوتار [illegible] شرائین [illegible] کی ترکیب میں اعصاب کے ساتھ شریک ہوتے ہیں [illegible] (۶)

شرائین

ان کی ساخت بڑی حد تک وریدوں سے ملتی جلتی ہے البتہ ان کی [illegible] وریدوں سے نسبتاً دبیز ہوتی ہیں ان کے علاوہ ان میں ضربان (تڑپ) بھی ہوتی ہے یعنی ہر وقت پھیلتی اور سکڑتی ہیں اس لئے ان کو عروق ضاربہ بھی کہا جاتا ہے۔ شرائین میں صاف اور نسیم آمیز خون ہوتا ہے جو جسم کے [illegible] میں برابر استعمال ہوتا ہے۔ شریان کی جمع شرائین [illegible] (۷)

اوردہ وریدکی جمع اوردہ ہے۔ یہ نالی دار عصبانی جو ہر کے اجسام ہیں جن کے ذریعہ جسم کا ناصاف خون قلب کو واپس جاتا ہے۔ ان میں شرائین کی طرح تڑپ نہیں ہوتی اس لیے ان کا نام عروق ساکنہ بھی ہے۔ ان کی دیوار یں شرائین سے نسبتہً ہلکی پھلکی ہوتی ہیں۔

عروق شعریہ وریدوں اور شریانوں کے درمیان بال کی طرح باریک باریک رگیں پائی جاتی ہیں انہی کو عروق شعریہ کہا جاتا ہے۔ غذائی مواد اور روح (نسیم) انہی کے مسامات سے چھن کر اعضاء تک پہنچتے ہیں اور ان کے فضلات (دخان وغیرہ) بھی ان مسامات سے ہو کر عروق میں آجاتے ہیں اور پھیپھڑوں کے ذریعہ باہر خارج کر دیئے جاتے ہیں۔

اغشیہ غشاء کی جمع اغشیہ ہے یعنی جھلی۔ یہ رقیق اور چوڑے اجسام ہیں جو عصبی ریشوں سے بنے ہوتے ہیں۔ یہ اعضاء کی سطحوں کو اندر یا باہر سے ڈھانکتے ہیں۔ ان کی متعدد اقسام ہیں مثلاً غشاء رباطی، غشاء عروقی، غشاء عصبی، غشاء مائی (سینے اور شکم کی جھلیاں)، غشاء مفصلی اور غشاء مخاطی وغیرہ۔ ان جھلیوں کے فوائد درج ذیل ہیں:

(۱) عضو کی ہیئت کو قائم رکھتی ہیں۔

(۲) ایک عضو کو دوسرے عضو کے ساتھ باندھ کر رکھا دیتی ہیں مثلاً گردے پردۂ بار یطون کے ذریعہ ریڑھ سے لگے ہوتے ہیں۔

(۳) جن اعضاء میں قوت حس کم یا مفقود ہوتی ہے ان میں حس کا ذریعہ بنتی ہیں مثلاً پھیپھڑے، جگر و طحال وغیرہ۔

(۴) بعض جھلیاں سخت اور نرم عضو کے درمیان میں حائل ہو کر نرم عضو کو سخت عضو کے ضرر سے محفوظ رکھتی ہیں۔

(۵) جس عضو کو استر کرتی ہیں اسے ہر طرح کی مضرتوں سے بچاتی ہیں مثلاً مری، معدہ، امعاء وغیرہ۔

(۶) بعض جھلیاں تغذیہ کا کام کرتی ہیں مثلاً غشاء مشیمی۔

(۷) بعض جھلیاں پردہ بن کر اعضاء شریفہ کو فاسد بخارات کے ضرر سے محفوظ رکھتی

ہیں مثلاً حجاب حاجز جو عمل تنفس میں معاونت کے ساتھ قلب و شش کو معدہ و امعاء کی گندگیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

اعضاء مرکبہ اعضاء مرکبہ وہ ہیں کہ اس کے کسی ایک حصے کو اصل عضو کے نام کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے ہیں جیسے ہاتھ عضو مرکب ہے اور اس کے ایک جزو مثلاً انگلی کو ہاتھ نہیں کہتے بلکہ اس کے تمام اجزاء کی مجموعی ہیئت کو ہاتھ کہتے ہیں۔ اسی طرح دل، جگر اور گردہ کا شمار اعضاء مرکبہ میں ہوتا ہے۔

اعضاء مرکبہ کبھی تو ترکیب اولی سے مرکب ہوتے ہیں یعنی اس میں صرف اعضاء مفردہ داخل ہوتے ہیں مثلاً عضلات میں گوشت، پٹھے، رباطات اور جھلیاں ہوتی ہیں، اور کبھی ترکیب ثانی سے مرکب ہوتے ہیں یعنی اس کے اجزاء میں پہلی ترکیب کا ایک مرکب ہو اور اس مرکب کے علاوہ دوسرے اجزاء بھی ہوں مثلاً آنکھ کہ اس کے اجزاء میں عضلات بھی ہیں اور عضلات کے علاوہ آنکھ کے طبقات اور رطوبات بھی۔ اور کبھی ترکیب ثالث سے مرکب ہوتے ہیں یعنی اس کے اجزاء میں کوئی ایسا مرکب بھی ہو جو دوسری ترکیب سے مرکب ہو اور اس مرکب کے علاوہ اور اجزاء بھی اس میں شامل ہوں۔ جیسے چہرہ کہ اس کے اجزاء میں آنکھ بھی ہے جو دوسری ترکیب سے مرکب ہے اس کے علاوہ ناک اور رخسار وغیرہ بھی ہیں۔

اعضاء مرکبہ کی تقسیم بدن انسان میں جو قوتیں کام کرتی ہیں ان کے خاص خاص مراکز ہیں، انہی مراکز سے تمام جسم میں قوتوں کا انتقال عمل میں آتا ہے۔ اس اعتبار سے کل اعضاء مرکبہ کی چار قسمیں ہیں (۱) اعضاء رئیسہ (۲) اعضاء خادمہ (۳) اعضاء مرؤسہ (۴) اعضاء غیر مرؤسہ۔

اعضاء رئیسہ ان اعضاء کا نام ہے جو بدنی قویٰ کے مولد و مسکن ہیں اور جہاں سے سارے بدن میں قوتیں پہنچتی ہیں۔ ان کی تعداد چار ہے (۱) دل (۲) دماغ (۳) جگر (۴) انثیین۔ ان میں سے اول الذکر تین اعضاء میں جو قوتیں ہیں وہ ایک فرد کی ذات کے تحفظ کی ذمہ دار ہیں یعنی اگر یہ نہ ہوں تو کوئی فرد اپنی ذات کی حفاظت نہیں کر سکتا ہے اور موخر الذکر عضو کا تعلق ذات کے ساتھ نسل سے بھی ہے گویا نوع انسانی کا تحفظ اسی عضو پر منحصر ہے۔

اعضائے خادمہ ان اعضاء کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ اعضائے رئیسہ کی قوتیں جسم کے دوسرے مقامات تک پہنچتی ہیں مثلاً شرائین دل کے خادم عضو کی حیثیت رکھتی ہیں، اعصاب دماغ کے خادم اور وریدیں جگر کے خادم اور مجاری منی انثیین کے خادم ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ منی کا اخراج عمل میں آتا ہے

اعضائے غیر مرؤوسہ وہ اعضاء ہیں جو نہ اعضائے رئیسہ میں داخل ہیں اور نہ اعضائے غیر رئیسہ میں [illegible] یہ وہ اعضاء ہیں جن تک اعضائے رئیسہ کی قوتیں نہیں پہنچتی ہیں مثلاً ہڈی اور کری [illegible]

بعض اہل علم نے اعضاء کی تقسیم ان میں موجود قوتوں اور ان کے افعال کے لحاظ سے کی ہے (1) اعضائے طبعیہ (قوی طبعیہ اور افعال طبعیہ کی نسبت سے) یعنی [illegible] اعضاء [illegible] شامل ہیں۔ ان میں عضو رئیس جگر ہے (2) اعضائے نفسانیہ (قوی نفسانیہ اور افعال نفسانیہ کی نسبت سے) ان میں [illegible] اعصاب اور حواس [illegible] داخل ہیں، ان میں عضو رئیس دماغ ہے (3) اعضائے حیوانیہ (قوی حیوانیہ اور افعال حیوانیہ کی نسبت سے) ان میں قلب [illegible] اور [illegible] شامل ہیں۔ ان میں عضو رئیس قلب ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

شقیقی [illegible] | [illegible]

[illegible] CORPOREAL [illegible]

[illegible] ارواح [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بتایا

[illegible] روح [illegible]

[illegible] بتائیں گے۔

[illegible] تفصیل

[illegible] (روح القدس) [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

چنانچہ قدیم عربی مصنفین کی عبارتوں میں (روح) کی بجائے [illegible]

روحِ نفسانی کی بجائے روحِ نفسانی۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(۵) اجزائے لطیفہ جو بعض نباتی [illegible] وغیرہ [illegible]

چیزوں سے، حاصل کیے جاتے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

(۹) گاہے روح کو قوت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

روح کی حقیقت

روح کی حقیقت کے بارے میں اطباء میں اختلاف ہے کسی کے نزدیک یہ مادّی (CORPOREAL) ہے، کسی کے نزدیک غیر مادّی یعنی روح بمعنی نفس۔ کسی کے نزدیک اس کا تعلق بیرونی ہوا سے ہے یعنی ہوا کے ایک جزو کے طور پر یہ جسم میں داخل ہوتی ہے، کسی کے نزدیک بیرونی ہوا سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ جسم کے اندر ہی لطیف اخلاط کی آمیزش سے بنتی ہے، کسی کے نزدیک اس کی تخلیق قلب میں بیرونی ہوا کے ایک جزو اور لطیف اخلاط کے ملنے سے ہوتی ہے۔ ان مختلف خیالات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

روح کے بارے میں جالینوس کا نقطۂ نظر

جالینوس وہ واحد طبیب ہے جس نے روح کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر پیش کیا۔ وہ طبیب کے ساتھ ایک بلند پایہ فلسفی بھی تھا لیکن اس معاملے میں اس نے بالکل سائنسی طرزِ فکر اختیار کیا اور "نفس" کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف روح کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کی۔ اس نے بتایا کہ جس چیز کا نام روح ہے وہ بیرونی ہوا کا جزو ہے۔ یہ روح تنفس کے ذریعہ شش (پھیپھڑے) میں داخل ہوتی ہے اور وہاں سے قلب میں پہنچ کر منبع حرارت[1] بن جاتی ہے[2]۔ اس نے یہ پیشین گوئی بھی کی کسی دن یہ روح ہوا سے علیحدہ کرلی جائے گی[3]۔

---

[1] دیگر اطباء کی طرح جالینوس کا بھی خیال تھا کہ جسم کی طبعی حرارت (حرارت غریزیہ) قلب میں پیدا ہوتی ہے اور پھر خون کے ذریعے سارے بدن میں منتشر ہوتی ہے۔ اسی لیے انھوں نے قلب کو بھٹی بھی کہا ہے۔ لیکن یہ خیال اب غلط ثابت ہو چکا ہے۔ قلب کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ روح آمیز خون کو عروق کے ذریعہ جسم کے ہر حصے تک پہنچا دے۔ تولید حرارت کا کام قلب کے بجائے خلیات میں انجام پاتا ہے۔

[2] افادۂ کبیر مفصل۔ ص۳۲۲۔

[3] جالینوس کے سترہ سو سال بعد فرانسیسی کیمیا داں لاوازیر نے روح حیوانی کو ہوا سے جدا کرکے اس کا نام آکسیجن (حمضین، ترشی پیدا کرنے والی) رکھا (افادۂ کبیر مفصل ص۳۲۲)۔

علی بن ربن طبری کا نقطہ نظر

علی بن ربن طبری کے یہاں روح کی جگہ نفس کا لفظ ملتا ہے چنانچہ اس نے روح حیوانیہ اور روح نفسانیہ کی جگہ نفس حیوانیہ اور نفس حسیہ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اوّل الذکر کا مرکز قلب اور موخر الذکر کا دماغ ہے[1]۔

اس کے نزدیک نفس ہی مدبر بدن ہے اور اس کو حرکت دیتا ہے۔ حرکت بدنی کا آلہ خود جسم نہیں جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر جسم متحرک ہوتا۔ نفس آگ اور ہوا بھی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو زِق (شراب) اور پتھر بھی نفس ہوتے کہ زِق میں روح اور پتھر میں ہوا ہوتی ہے۔ نفس جسم بھی نہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر بعض اجسام نفس ناطقہ کے حامل اور متحرک ہوتے اس کے علاوہ جسم ہونے کی صورت میں اس میں کمی و زیادتی لازمی ہے کہ یہ جسم کا خاصہ ہے۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ جو چیز جسم کی تدبیر کرتی اور اس کو متحرک رکھتی ہے وہ نفس ہے[2]۔

یہ نفس واحد ہے، اجزائے مختلفہ سے مرکب نہیں۔ طبری نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو نفس کو مقدار یا مزاج کہتے ہیں کیونکہ اس صورت میں بہت سے انفاس ناطقہ کا وجود ہوتا کیونکہ ہمارے اعضاء کے مقادیر بکثرت ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شے جو مزاج رکھتی ہے اس میں نفس ناطقہ ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لیے یہ خیال بھی غلط ہے[3]۔

ربن طبری نے حکیم تاؤفرسیطوس کے حوالے سے لکھا ہے کہ نفس کی چار قسمیں ہیں۔ اوّل نفس نباتی، اس کے تین کام ہیں، غذا حاصل کرنا، بڑھنا اور اپنا مثل پیدا کرنا۔ انسان بھی یہ تینوں کام کرتا ہے یعنی غذا کا حصول، نمو اور توالد و تناسل۔ دوم نفس حساسہ، یہ نباتات اور حیوانات کے درمیان فرق و امتیاز قائم کرتا ہے اس لیے کہ نباتات میں قوت حس نہیں پائی جاتی۔ سوم نفس متحرکہ جو بدن کو مثل حیوان کے حرکت

---

[1] ابوالحسن علی بن سہل ربن طبری، فردوس الحکمۃ فی الطب مرتبہ ڈاکٹر زبیر صدیقی ص [illegible]

[2] فردوس الحکمت ص ۱۲۱-۱۲۰۔

[3] ایضاً ص ۔

دیتا ہے، چہارم نفس مفکرہ و عقلیہ جس کے ذریعہ انسان اشیاء میں امتیاز کرتا ہے اور اپنی زندگی کے دشوار گذار مراحل طے کرتا ہے۔ یہ نفس صرف انسان کے لیے مخصوص ہے کسی حیوان کو بھی یہ شرف حاصل نہیں ہے۔ پس انسان نفس نباتی کے ذریعہ زندہ رہتا ہے، نفس حساسہ کے ذریعہ محسوس کرتا ہے، نفس متحرکہ کے ذریعہ نقل و حرکت کرتا ہے اور نفس ممیزہ عقلی کے ذریعہ اشیاء میں تمیز اور علوم عقلی کا ادراک کرتا ہے۔[1]

علی ابن عباس مجوسی کا نقطۂ نظر مجوسی نے نفس اور روح میں [illegible] فرق کیا ہے۔ ان کے نزدیک روح نفس کا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ حس و حرکت ارادی کا فعل انجام پاتا ہے۔ لکھتا ہے[2]

[illegible]

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ روح جو دماغ میں ہے اسی کا نام نفس ہے اور [illegible] نفس بھی ایک جسم ہے۔ لیکن بعض کا خیال ہے کہ روح نفس کا آلہ ہے یعنی [illegible] اسی کے ذریعہ وہ جملہ حواس کے کام انجام دیتا ہے اور یہ نفس جسم ہے [illegible] لیکن نفس جسم نہیں بلکہ نفس ایک جوہر ہے جو بطون دماغ میں [illegible] ہوتے ہیں [illegible] روح جو اصل نفس کا ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ حس و حرکت ارادی ہوتی ہے۔ نفس کے بارے میں اس سے زیادہ لکھنا کتاب کے دائرہ بحث سے خارج ہے اور روح کے بارے میں جو کچھ [illegible] لکھا گیا ہے وہ کافی ہے۔[3]

[illegible]

ابو سہل مسیحی کا نقطۂ نظر ابو سہل مسیحی نے [illegible] عجیب [illegible] پیش کی ہے [illegible] کے بارے میں [illegible] نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے [illegible] خیال کے مطابق [illegible] ایک جوہر قرار دیا ہے۔ لکھتا ہے

[illegible]

---

[1] فردوس الحکمت ص [illegible]

[2] علی ابن عباس مجوسی، کامل الصناعۃ ج ۱ ص ۱۱۱۔

[3] اس بحث سے پہلے مجوسی نے روح کی اقسام ثلاثہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ص ۱۲۹ [illegible]

رہی روح تو یہ بیرونی ہوا سے پیدا ہوتی ہے جسے تنفس اندر لے جاتی ہے پھر اسے نفیس بنا دیتی ہے اور پھر اسے روح حیوانی میں تبدیل کر دیتی ہے۔"

ابن سینا کا نقطۂ نظر

روح کے بارے میں ابن سینا کے یہاں ہم کو دو طرح کے خیالات ملتے ہیں، ایک طبی اور دوسرا فلسفیانہ، اور اس طرح اس کے یہاں تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے خیال کے مطابق روح کی تخلیق میں دو عامل شریک ہیں، ایک بیرونی ہوا جو بصورت نسیم ہے اور دوسرا اخلاط، بیرونی ہوا کا جوہر لطیف قلب کو قوت تنفس کے ذریعہ پھیپھڑوں میں خون کے ساتھ مخلوط ہو کر قلب میں پہنچتا ہے تو اخلاط کے جوہر لطیف سے مل کر روح کی تشکیل کرتا ہے، اسی کا نام روح حیوانی ہے جو بعد میں دو حصوں میں دماغ اور جگر میں پہنچ کر اور ایک مخصوص مزاج حاصل کر کے روح نفسانی اور روح طبعی کے ناموں سے موسوم ہو جاتی ہے۔ شیخ نے القانون میں ایک جگہ لکھا ہے[1]

"جب روح حیوانی قلب سے دماغ میں پہنچتی ہے تو وہاں ایک مخصوص مزاج حاصل کر کے روح نفسانی بن جاتی ہے اور پھر قوت نفسانیہ کے افعال ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح جگر میں جب وہ پہنچتی ہے تو ایک مخصوص مزاج حاصل کر کے روح طبعی بن جاتی ہے اور اس طرح قوت طبعیہ کے افعال ظاہر ہونے لگتے ہیں۔"[2]

شیخ کی تحقیق جو اوپر بیان ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جالینوس اور ارسطو دونوں سے برخلاف ہے [illegible] روح کی تخلیق میں ہوا کا کوئی دخل نہیں مانتا تھا لیکن یہ ضرور مانتا تھا کہ روح کی تخلیق میں ہوا کا ایک جزو بصورت نسیم شریک رہتا ہے۔

"اطبا کہتے ہیں کہ قوت حیوانی جس طرح اعضا کو حیات بخشتی ہے [illegible] اسی طرح یہ قوت جوہر روحی لطیف کی حرکت کا بھی مبدأ ہے جس سے

بقیہ پچھلے صفحہ کا: [3] ابو سہل مسیحی، مائۃ مسیحی ج ۱ ص

[1] ابن سینا، القانون فی الطب [illegible]

[2] القانون فی الطب، ج ۱ ص ۱۲۶ [illegible]

روح اعضاء کی طرف چلی جاتی ہے (فھی ایضاً مبدأ حرکۃ الجوہر الروحی اللطیف الی الاعضاء) اور روح کے بسط و قبض کا بھی یہی مبدأ ہے جس سے روح کو نسیم ملتی ہے اور پاک وصاف ہوتی ہے۔"

ایک دوسری جگہ لکھا ہے:[1]

"یہ ہوا ہمارے بدنوں اور روح کے لئے عنصر ہے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیرونی ہوا ہمارے اعضا، بدن کی ترکیب میں شامل ہے اسی طرح روح کی تخلیق میں بھی حصّہ دار ہے جیسا کہ شیخ نے آگے لکھا ہے:[2]

"یہ ہوا ہمارے ابدان وارواح کا عنصر (جزو) ہونے کے علاوہ ایک مدد ہے جو مسلسل ہماری روح تک پہنچتی رہتی ہے اور روح کی صلاح و فلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔"

روح کے بارے میں شیخ نے اپنے رسالہ الادویۃ القلبیہ میں بھی اظہار خیال کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے:[3]

"روح کی پیدائش اخلاط کے لطیف اور بخاری حصّے سے اسی طرح ہوتی ہے جس طرح اخلاط کے کثیف اور ارضی حصّے سے اعضاء کی تخلیق ہوتی ہے۔ پس جوہر اخلاط سے روح کو وہی نسبت ہے جو بدن کو اخلاط سے ہے۔ جس طرح اخلاط (اربعہ) کے باہم امتزاج سے اعضاء بنتے ہیں اور اس میں ایک واحد مزاجی صورت پیدا ہوتی ہے جس سے ممزوج ان احوال کو قبول کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے جو بساط کی صورت میں ممکن الحصول نہ تھے اسی طرح جوہر اخلاط سے جب کہ اخلاط اربعہ باہم مخلوط ہوتے ہیں، روح کی تخلیق ہوتی ہے اور ایک مخصوص مزاجی صورت اسے حاصل ہوتی ہے جس سے وہ

---

[1] القانون فی الطب، ج ۱ ص ۱۴۰۔

[2] ایضاً

[3] الادویۃ القلبیہ، مخزونہ آصفیہ لائبریری، حیدرآباد دکن داخلہ نمبر ۱۶۰۴ ورق ۲۰۱۔

قویٰ نفسانیہ کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہو جاتی ہے جو بساتط کی حالت میں نا قابل حصول تھا۔"

آگے مزید لکھتا ہے[1]:

"جس طرح اعضاء باعتبار تعداد کثیر ہوتے ہیں لیکن سب سے پہلے جو عضو بنتا ہے وہ واحد ہوتا ہے اور وہ قلب ہے جو باعتبار عدد واحد ہے۔ اس کے بعد ہی دوسرے اعضاء کی تشکیل ہوتی ہے۔ البتہ اس بات میں مختلف اقوال ہیں کہ وہ عضو واحد کون ہے، اسی طرح ہم میں روحیں باعتبار عدد متعدد ہیں لیکن جلیل القدر حکماء کی رائے کے مطابق وہ روح جس کو تخلیق کے لحاظ سے دوسری روحوں پر اولیت کا شرف حاصل ہے، واحد ہے۔ اور وہ روح قلب میں بنتی ہے اور پھر دوسرے اعضاء رئیسہ میں پہنچتی ہے اور جب ہر ایک میں وہ مستحکم ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کو ایک خاص مزاج حاصل ہوتا ہے پس دماغ کا جو مزاج مستفاد ہوتا ہے وہ حس و حرکت کو قبول کرنے کے لئے، کبد کا جو مزاج مستفاد ہوتا ہے وہ قویٰ تغذیہ و تربیت کے قبول کے لئے اور انثیین کا جو مزاج مستفاد ہوتا ہے وہ قویٰ تولید کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ اس حکیم کے نزدیک ان قویٰ کے مبادی (مراکز) قلب میں ہیں جس طرح بصارت، سماعت اور لذت وغیرہ کے مراکز دماغ میں ہیں۔"

لیکن اسی رسالہ میں اس نے یہ بھی لکھا ہے[2]:

"حکماء اور ان کے متبعین اطباء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرحت، غم، خوف اور غضب روح کے انفعالات میں سے ہیں جو کہ قلب میں ہوتی ہے۔"

ابن سینا نے روح کے جن انفعالات یعنی فرحت و غم وغیرہ کا ذکر کیا ہے ان کا تعلق نہ اس روح سے ہے جو بعض اطباء کے نزدیک بیرونی ہوا کا جزء ہے اور نہ اس روح سے جو بعض کے نزدیک قلب میں بنتی ہے، بلکہ اس کا تعلق اس غیر مادی وجود

---

[1] الادویۃ القلبیہ (مخطوطہ) ورق ۱

[2] ایضاً ورق ۲

[illegible] اور عورتوں میں برودت کا غلبہ ہوتا ہے
[illegible] قیاسی ہیں
[illegible] روح [illegible] کہ عورتوں
بدن کے [illegible] میں
ہے حرارت [illegible] کہ ان کے استحالہ کی رفتار مردوں کے استحالہ
[illegible] کے بیان کے مطابق روح کی تین قسمیں ہیں (۱)
[illegible] نفسانی۔ اس سلسلے میں علی
ابن عباس مجوسی نے لکھا ہے:

" روح [illegible] ہوتا ہے
[illegible] میں تقسیم
کیا [illegible] اور مزاج
روح طبعی [illegible] اس جگر کے اس خون سے ہوتی ہے جو صاف اور [illegible]
[illegible] اور [illegible] کی آمیزش نہ ہو۔
[illegible]
اسے [illegible] اسی سے قوی حیوانیہ قائم ہوتے ہیں۔
[illegible] کرتی ہے اور انہیں نمو دیتی ہے۔ روح
[illegible] اور راس ہوا سے جو بذریعہ استنشاق
[illegible] ہوتا ہے۔
۵۔ اور [illegible] ہے جو بطون دماغ میں پیدا ہوتی ہے اور پٹھوں
کے [illegible] اور اسی سے قوی نفسانیہ قائم ہوتے
[illegible] کرتی ہے [illegible] روح [illegible]

[illegible]
[illegible] ہے کہ
[illegible] کے مقابلے میں عورتوں کے اندر رطوبت کی مقدار دس فیصد کم ہوتی ہے۔
۱۔ دیکھیں [illegible] ص ۲۲۳۔

7. O.C.Gruner, Special Issue, Commentary on the Canon of Medicine of Avicenna. Hamdard, July-September 1983, Pakistan.

8. R.E.Siegel, Galen's System of Physiology and Medicine, New York 1968.

9. S.B.Vohora, H.Abdul Hamid, Earth Elements and Man, Department of Philosophy of Medicine and Science, Institute of History of Medicine and Medical Research, Hamdard Nagar, New Delhi.

10. The New Encyclopaedia Britannica, Micropaedia, 1974, Vol. 5.

11. The Original Pharmacopoeia of Medicine, Department of Philosophy of Medicine and Science, Hamdard Nagar, New Delhi.

12. Bhagwan Das and Vaidya Lalitesh Kashyap, Materia Medica of Ayurveda, Concept Publishing Company, Mohan Garden, New Delhi, 1980.

13. The Periodical System of Chemical Elements, London.

مزاج کا حقیقی مفہوم

14. W.G.Moore, A Dictionary of Geography, Britain 1968.

عزیزی پیدا ہوتی ہے۔ اسی حرارت سے جسم کا کارخانہ چلتا ہے۔ اگر اس روح کی ترسیل ایک تانیے کے لئے بھی رک جائے تو جسم کی ہلاکت یقینی ہے۔

جدید تحقیق کے مطابق ایک تندرست آدمی کے بدن میں روح (آکسیجن) کل اجزائے بدن (۴۴ ۴۵۵۵ ۱۵۱ ٪) کا ۴۳ کیلوگرام اور مادہ حیات (پروٹوپلازم) کے کل وزن کا ۶۵ فیصد ہوتی ہے۔

روح اور تولید حرارت

ہم روز دیکھتے ہیں کہ کوئلہ یا لکڑی کے جلنے سے یا چراغ میں تیل کے جلنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے اس جلنے کے عمل میں دو چیزیں شریک ہوتی ہیں، ایک ایندھن (لکڑی و تیل) اور دوسری آکسیجن (نسیم۔ روح)۔ اگر ایندھن نہ ہو تو تنہا نسیم جلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اسی طرح اگر نسیم نہ ہو تو ایندھن تنہا حرارت پیدا کرنے سے قاصر ہے۔

ٹھیک یہی مثال جسم میں تولید حرارت کی ہے۔ بدن میں ایندھن کی حیثیت غذائی مواد (اخلاط) کو حاصل ہے یہی غذائی مواد اعضاء (خلیات) میں نسیم کے ساتھ مل کر جلتا ہے اور اس احتراق (طبخ) کے نتیجے میں بدن میں حرارت پیدا ہوتی ہے جس سے اعضاء بدن اپنے طبعی افعال انجام دیتے ہیں۔

جس طرح کوئلہ اور چراغ کے جلنے کی صورت میں دھواں پیدا ہوتا ہے اسی طرح جسم میں اخلاط و نسیم کے احتراق سے بخارات پیدا ہوتے ہیں جن کو بخارات دخانیہ (کاربن ڈائی آکسائیڈ) کہا جاتا ہے اور عمل تنفس کے ذریعہ برابر یہ بخارات جسم سے خارج ہوتے رہتے ہیں۔ جس طرح چراغ کا تیل جلنے سے ختم ہوتا ہے اور پھر اس کی تلافی کی جاتی ہے تاکہ چراغ جلتا رہے اسی طرح جسم میں عمل احتراق کے نتیجے میں اخلاط اور ارواح دونوں برابر صرف ہوتے ہیں۔ اخلاط کی کمی کی تلافی تازہ غذا سے اور روح میں کمی کی تلافی بیرونی ہوا کے ذریعہ براہ تنفس برابر جاری رہتی ہے۔

قویٰ بدن اور روح

بدن کی تمام قوتیں خواہ وہ قوت حیوانیہ ہو، خواہ قوت طبعیہ اور خواہ قوت نفسانیہ اسی وقت تک صحیح صحیح کام

کرتی ہیں جب تک ان کو برابر روح کی مدد ملتی رہتی ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس مدد کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو اعضاء مردہ ہو جاتیں اور اس صورت میں بدن کے افعال خود بخود ختم ہو جاتیں گے مثلاً قوئ نفسانیہ سے متعلق اعصاب حسیہ اور اعضاء حواس میں عمل احساس اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک ان میں روح جاری و ساری ہے۔ اگر یہ سلسلہ بند ہو جائے تو یہ بے حس (سُن) ہو جائیں۔ یہی حال قوئ طبعیہ کا ہے۔ یہ بھی اس وقت تک غذا کے ہضم و تغیر کے فعل کو جاری رکھتی ہے جب تک اسے روح کی مدد ملتی رہتی ہے۔ اگر یہ مدد نہ ملے تو ہضم و تغیر کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔

حرارت غریزیہ اور روح

یونانی اطباء نے تسلیم کیا ہے کہ حرارت غریزیہ کے بنانے میں روح شریک ہے لیکن اس حرارت کا مولد و منبع ان کے خیال کے مطابق قلب ہے یعنی قلب میں اخلاط اور روح حیوانی کے امتزاج سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے اسی کا نام حرارت غریزیہ ہے۔ مجوسی نے اسباب موت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے[1]

"کا ہے حرارت غریزیہ عدم تنفس کی وجہ سے بگڑ جاتی ہے جیسا کہ ان لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے جن کے منہ اور ناک بند کر لیے گئے ہوں یا جن کے گلے میں پھندا لگا کر یا کسی اور طرح گلا گھونٹا گیا ہو جس سے ہوائے صافی پھیپھڑوں تک نہ پہنچ سکے۔ ان حالات میں فضول دخانیہ قلب میں جمع ہو جاتے ہیں جس سے حرارت غریزی بجھ جاتی ہے"

حرارت غریزی جس طرح بجھتی ہے اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھایا ہے[2]

"اس حالت میں حرارت غریزیہ کو جو کیفیت عارض ہوتی ہے یہ اس کیفیت کے مماثل ہے جو چراغ کی آگ (شعلہ) کو اس وقت عارض ہوتی ہے جب اس پر کوئی کثیف ظرف (بے مسام ظرف) اوندھا دیا جائے جس سے ہوا اندر جانے اور شعلہ سے ملاقی ہونے سے رک جاتی ہے اس لیے وہاں

---

[1] علی ابن عباس مجوسی، کامل الصناعۃ ج ۱، ص ۱۶۲ (الباب السابع فی اسباب الموت)۔

[2] ایضاً

دھواں اکٹھا ہو جاتا ہے اور شعلہ گل ہو جاتا ہے۔"

جدید تحقیق یہ ہے کہ حرارت غریزیہ اس حرارت کا نام ہے جو اعضاء کے خلیات میں غذا اور آکسیجن (روح) کے جلنے سے پیدا ہوتی ہے یہی وہ حرارت طبعی ہے جس سے بدن انسان چھونے سے گرم محسوس ہوتا ہے اور جب یہ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے تو اسے حرارت غریبہ (بخار) کہا جاتا ہے۔

اقسام روح

اطباء متقدمین کے بیان کے مطابق روح کی تین قسمیں ہیں (۱) روح طبعی (۲) روح حیوانی (۳) روح نفسانی۔ اس سلسلے میں علی ابن عباس مجوسی نے لکھا ہے[1]:

"روح طبعی کی پیدائش جگر میں ہوتی ہے اور ساکن رگوں میں نفوذ کر کے تمام بدن کو جاتی ہے اور اس روح طبعی سے قوی طبعیہ قائم ہوتے ہیں اور اس کے افعال کی درستگی اور اصلاح ہوتی ہے اور نشو و نما بھی اسی روح کا فعل ہے روح طبعی کی پیدائش جگر کے اس خون سے ہوتی ہے جو صاف اور جید ہو اس میں کسی اور خلط کی آمیزش نہ ہو۔

روح حیوانی کی پیدائش قلب میں ہوتی ہے اور اس کی رگوں (شرائین) کے ذریعہ تمام بدن میں پہنچتی ہے اور اسی سے قوی حیوانیہ قائم ہوتے ہیں۔ یہ قوی کی حفاظت اور ان کی اصلاح کرتی ہے اور انہیں نمو دیتی ہے۔ روح حیوانی صاف اور لطیف خون کے بخار سے اور اس ہوا سے جو بذریعہ استنشاق جسم کے اندر داخل ہوتی ہے، پیدا ہوتی ہے

روح نفسانی وہ روح ہے جو بطون دماغ میں پیدا ہوتی ہے اور پٹھوں کے ذریعہ تمام بدن میں نفوذ کرتی ہے اور اسی سے قوی نفسانیہ قائم ہوتے ہیں اور یہی اس کی حفاظت کرتی ہے۔ اس روح کی پیدائش روح حیوانی سے ہوتی ہے جس کا مسکن قلب ہے اور وہ اس طرح کہ روح حیوانی قلب سے ان رگوں کے ذریعہ جن کا نام رگ سباتی ہے دماغ کی طرف صعود کرتی ہے"

---

[1] کامل الصناعۃ ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰

علامہ ابن رشد نے روح طبعی کے وجود سے انکار کیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ تشریح سے ثابت نہیں ہوتا کہ جگر میں روح ہے جو وریدوں کے ذریعہ تمام جسم میں پہنچتی ہے بلکہ وریدوں میں ناپختہ خون ہوتا ہے اور روح کی سواری فی الواقع وہ خون ہے جو شرائین میں ہے۔[1]

روح کی خواہ دو قسمیں قرار دی جائیں یا تین، بہرصورت یہ ایک غیر سائنسی تقسیم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روح سارے بدن میں ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہوتی ہے، اس کے لیے کوئی عضو مخصوص نہیں ہے۔ خون کے ساتھ وہ جسم کے ہر چھوٹے بڑے عضو تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ بعض جگہوں میں باعتبار مقدار زیادہ ہوتی ہے اور بعض جگہوں میں کم، مثلاً شرائین میں زیادہ اور اوردہ میں کم، قلب کے بائیں بطن میں زیادہ اور دائیں بطن میں کم ہوتی ہے۔

---

[1] کتاب الکلیات ص۲۵۔

قویٰ

یہ لفظ قوت کی جمع ہے اور قوت و طاقت کثیر الاستعمال الفاظ ہیں اور ان کا مفہوم بھی ہر شخص سمجھتا ہے۔ یہ ایک طبی اصطلاح بھی ہے اور جب یہ لفظ طب میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے فعل کا ماخذ و مصدر یا دوسرے لفظوں میں علت فعل مراد ہوتی ہے، ابوسہل مسیحی نے لکھا ہے[1]:

القوة هي سبب الفعل   قوت فعل کی علت ہوتی ہے۔

یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ کوئی فعل بغیر زور و قوت کے انجام نہیں دیا جا سکتا ہے ہر فعل فی نفسہ قوت کا مظہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی چیز متحرک ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ کوئی قوت ہے جو اس کی حرکت کا سبب بن رہی ہے۔

جسم انسانی بھی ایک کارخانہ ہے جس کے اندر بے شمار مشینیں دن رات کام کرتی ہیں لیکن اس طرح کہ نہ اس میں سے بظاہر کوئی دھواں نکلتا ہے اور نہ کوئی شور و غل سنائی دیتا ہے، ہر کام نہایت ہی خاموشی سے انجام پا رہا ہے معدے میں فعل ہضم جاری ہے، پھیپھڑے تنفس کے لیے پھیلتے اور سکڑتے ہیں، قلب خون کو رگوں میں دھکیلنے میں لگا ہوا ہے، گردے جسم کے زائد اور غیر ضروری اجزاء کو پیشاب کی راہ جسم سے دفع کرنے میں مصروف ہیں، اسی طرح کے اور بھی کام ہیں جو جسم میں برابر ہو رہے ہیں۔ یہ سارے کام اعضاء کے اندر پوشیدہ قوتوں سے انجام پاتے ہیں۔

---

1 - مسیحی، ج ا ص ۱۰۱

اقسام قویٰ

اس کی تین بڑی قسمیں ہیں:

(۱) قوت طبیعیہ (۲) قوت نفسانیہ (۳) قوت حیوانیہ

قوت طبیعیہ

وہ قوت ہے جو تغذیہ، نشوونما اور تولید و تناسل کے افعال انجام دیتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) قوت شخصیہ (۲) قوت تناسلیہ۔

قوت شخصیہ، وہ قوت ہے جو فرد کی بقا یعنی اس کی نشوونما کے لیے غذا میں تصرفات کرتی ہے۔ اس کا مرکز جگر ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) قوت غاذیہ (۲) قوت نامیہ

قوت غاذیہ تغذیۂ بدن کرتی ہے اس کے تین کام ہیں،

(۱) عضو کا جو حصہ تحلیل ہو گیا ہے اس کا بدل فراہم کرنا (بدل ما یتحلل)

(۲) غذا کو اعضاء کے جوہروں کے ساتھ چپکانا (الصاق)

(۳) غذا کو اعضاء کے مشابہ و مشاکل بنانا[1]

قوت غاذیہ کی بھی چار قسمیں ہیں (۱) قوت جاذبہ (قوت مختلسہ) (۲) قوت ماسکہ (قوت ملصقہ) (۳) قوت ہاضمہ (قوت مشبہہ) (۴) قوت دافعہ۔

قوت جاذبہ[2] وہ قوت ہے جو بدل ما یتحلل کے لیے غذا کو مقام تغذیہ تک جذب کر کے لے آتی ہے۔

قوت ماسکہ[3] وہ قوت ہے جو غذا کو ہضم ہونے تک عضو میں روکے رکھتی ہے اور ہضم ہونے کے بعد بھی اسے روکے رکھتی ہے تاکہ عضو سے خوب اچھی طرح چپک جائے۔

قوت ہاضمہ[4]، وہ قوت ہے جو مواد غذائی میں تغیر پیدا کر کے اسے قوام اور مزاج کے

---

[1] قوت غاذیہ اور اس کی خادم قوتوں کے مجموعے کا نام اطبا نے قوت مغیرہ رکھا ہے۔

[2] اس قوت کے خلل سے مرض ہزال لاحق ہوتا ہے (دبلاپن، بسبب عدم غذا)۔

[3] اس قوت میں خرابی سے استسقاء لحمی عارض ہوتا ہے، اس مرض میں غذا بدن کے ساتھ اچھی طرح سے چپکتی نہیں جس کی وجہ سے گوشت ڈھیلا ڈھالا رہتا ہے۔

[4] اس قوت میں خرابی لاحق ہونے سے مرض برص و بہق پیدا ہوتا ہے اس میں غذا عضو کے مشابہ نہیں ہو پاتی۔

طاقا سے عضو متغذی کے مشابہ بنادیتی ہے۔

قوت دافعہ، وہ قوت ہے جو ان فضلات کو بدن سے دفع کرتی ہے جو غذا کے ہضم و تغیر کے بعد بچ جاتے ہیں اور یہ ناقابل ہضم ہوتے ہیں اس لیے ان کا بدن سے خارج ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔

قوت نامیہ، وہ قوت ہے جو بدن انسان کو اقطار میں نشو ونما دے کر اس کی آخری حد تک پہنچاتی ہے۔ اقطار سے مراد بدن کا لمبائی، چوڑائی اور موٹائی میں طبعی تناسب کے ساتھ بڑھنا ہے۔

قوت غاذیہ، قوت نامیہ کی خادم ہے کیونکہ قوت غاذیہ کا عمل ختم ہونے کے بعد ہی نامیہ کا عمل شروع ہوتا ہے، اور یہ دونوں قوت مولّدہ کے خادم ہیں۔

قوت طبیعیہ کی دوسری قسم قوت تناسلیہ ہے۔ یہ قوت حیات نوعی کے تحفظ کے لیے غذا (رطوبات ثانیہ اور منی) میں تصرّف کرتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) قوت مولّدہ (۲) قوت مصوّرہ۔

قوت مولّدہ وہ قوت ہے جو ہر مرد اور عورت کے اعضاء تناسلیہ میں منی پیدا کرتی ہے اور پھر اس کے ہر جزو کو اس طرح تیار کرتی ہے کہ وہ کوئی مخصوص عضو بن سکے گویا اس قوت کا کام سارے بدن کا خاکہ تیار کرنا ہے۔

قوت مصوّرہ وہ قوت ہے جو قوت مولّدہ کے مُعیّن کردہ خاکہ میں رنگ بھرتی ہے دوسرے لفظوں میں رطوبت منویہ کے ہر جزو (عضو) کو وہ مخصوص شکل وصورت عطا کرتی ہے جو اس نوع کا فطری تقاضا ہوتا ہے۔

مذکورہ دونوں قویٰ کا مرکز مردوں میں انثیین اور عورتوں میں خصیۃُ الرّحم ہے۔

قوت نفسانیہ وہ قوت ہے جس سے اعضاء میں حس و حرکت پیدا ہوتی ہے جو اعضاء اس قوت کے مرکز کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں دماغ نخاع، اعصاب اور آلات حواس شامل ہیں۔ ان اعضاء میں دماغ عضو رئیس کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ دوسرے اعضاء اس کے خادم ہیں جیسا کہ اعضاء کے بیان میں بتایا جا چکا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قوت محرکہ (۲) قوت مُدرکہ۔

قوت محرکہ، وہ ہے جو اعضا میں براہ راست یا بالواسطہ حرکت کا باعث ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) قوت شوقیہ (۲) قوت فاعلیہ۔

قوت شوقیہ وہ ہے جو کسی حرکت یا کام سے پہلے دماغ میں اس کے لیے خیال یا تصور پیدا کرتی ہے اور جو قوت اس خیال یا تصور کو عملی جامہ پہناتی ہے وہ قوت فاعلیہ ہے، کیونکہ یہی قوت عضلات کو متحرک کرتی ہے۔ علامہ برہان الدین نفیس نے حرکت ارادی کی تقسیم نہایت عمدہ طور پر کی ہے، لکھا ہے:[1]

"ارادی حرکت چار قوتوں سے تکمیل پاتی ہے (۱) قوت خیالیہ یا وہمیہ جس کے تحت سب سے پہلے کوئی تصور پیدا ہوتا ہے (۲) قوت شوقیہ جس کے تصور کے مطابق اس کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے (۳) قوت عازمہ جس سے شوق کے حصول کے لیے عزم وارادہ ظاہر ہوتا ہے (۴) قوت فاعلہ جو عزم وارادہ کے بعد متعلقہ عضلات کو متحرک کرتی ہے۔"

قوت مدرکہ، وہ قوت ہے جس سے شعور وادراک کا عمل انجام پاتا ہے خواہ وہ براہ راست ادراک کرے یا فعل ادراک میں معین و مددگار ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) قوت مدرکہ بیرونی (۲) قوت مدرکہ اندرونی

بیرونی قوت مدرکہ کی تعداد پانچ ہے:

(۱) قوت باصرہ، دیکھنے کی قوت اس کا مرکز آنکھ ہے۔
(۲) قوت سامعہ، سننے کی قوت اس کا مرکز کان ہے۔
(۳) قوت ذائقہ، چکھنے کی قوت، اس کا مرکز زبان ہے۔
(۴) قوت شامہ، سونگھنے کی قوت، اس کا مرکز ناک ہے۔
(۵) قوت لامسہ، چھونے کی قوت اس کا مرکز جلد ہے۔

ان پانچ بیرونی قوتوں کو اصطلاحاً حواس خمسۂ ظاہری کہا جاتا ہے۔ یہ قوتیں دراصل اندرونی قوت مدرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہیں

اندرونی قوت مدرکہ کی تعداد بھی پانچ ہے[2] (۱) حس مشترک (۲) خیال (۳) متخیلہ

---

[1] کلیات نفیسی، حصہ اول، صفحہ ۱۵۰
[2] بعض اطباء کے نزدیک تین ہیں (۱) تخیل (۲) تفکر (۳) تذکر لیکن فلاسفۂ یونان نے ان کو پانچ گنایا ہے۔

(۴) وہم (۵) حافظہ، ان قوتوں کو اصطلاحاً حواس خمسہ باطنی کہا جاتا ہے۔

انسانی دماغ کو اگر لمبائی میں تقسیم کیا جائے تو اس کے تین خانے ہو جاتے ہیں پیشانی کی طرف سے سب سے پہلا خانہ بطن مقدّم پھر بطن اوسط اور پھر بطن موخّر واقع ہے۔ اندرونی قویٰ مدرکہ انہی تین خانوں میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ بطن مقدّم میں آگے کی طرف حسّ مشترک، اس کے عقب میں خیال ۔ بطن اوسط کے پہلے حصّہ میں متخیلہ اور دوسرے حصّے میں وہم اور بطن موخّر میں حافظہ ہے۔

حسّ مشترک[1]، وہ قوت ہے جو تمام محسوسات کو جو حواس خمسۂ ظاہری کے توسّط سے اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں یکجا طور پر ادراک کرتی ہے جب کہ حواس خمسہ میں سے ہر قوت الگ الگ اپنے محسوسات کا ادراک کرتی ہے اور اپنے علاوہ دوسرے حواس کے محسوسات کا ادراک نہیں کر سکتی ہے۔ یہ حسّ مشترک ہے جس کی مدد سے ہم جس وقت چاہیں سابقہ چیزوں کا خیال قائم کر سکتے ہیں۔ یہ قدرت حواس ظاہری میں سے کسی قوت کو حاصل نہیں ہے، مثلاً آنکھ کسی چیز کو صرف اس وقت تک دیکھتی ہے جب تک وہ اس کے سامنے ہے۔ جہاں وہ اس سے اوجھل ہوئی پھر اس کا ادراک اس کے لیے مشکل ہے۔

خیال، وہ قوت ہے جہاں حسّ مشترک کا خزانہ معلومات محفوظ رہتا ہے یعنی بیرونی حواس کے ذریعہ محسوس کی ہوئی چیزیں اسی کے اندر جمع رہتی ہیں اور ضرورت کے وقت دوبارہ ہم ان کا تصوّر کر سکتے ہیں۔ اگر یہ قوت ہمارے پاس نہ ہوتی تو گذشتہ واقعات میں تمیز کرنا مشکل ہوتا مثلاً ہم اس شخص کو پہچان نہیں سکتے تھے جو ہماری نظروں سے غائب ہونے کے بعد دوسری بار سامنے آیا ہے۔

قوت متخیلہ جس کا دوسرا نام متصرّفہ ہے، وہ قوت ہے جو خیالی اور فرضی پیکر

---

[1] یونانی زبان میں حسّ مشترک کو بنطاسیا کہتے ہیں جس کے معنی ہیں نفس کی لوح (جامع الشرحین بحوالہ افادہ کبیر مفصّل ص۲۴۴) حسّ مشترک کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ پانچوں حواس ظاہری کے لیے مشترک ہے، ہر ایک حاسّہ اپنی فراہم کردہ معلومات کو اسی کے پاس جمع کر دیتا ہے۔

(صورت) تراشتی رہتی ہے[1] دوستی اور دشمنی، محبت اور نفرت ایسے امور ہیں جن کے ادراک سے حواس ظاہری عاجز ہوتے ہیں۔ ان کا ادراک جس دماغی قوت کے ذریعہ ہوتا ہے اس کا نام قوت وہم ہے گویا حواس ظاہری کا کام صورتوں کا اور قوت وہم کا کام معانی جزئیہ (دوستی و دشمنی) کا ادراک ہے مثلاً جب ہم کسی آدمی کو دیکھتے ہیں تو اس کی شکل و صورت کی بنا پر اسے قوت خیال کی مدد سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں آدمی ہے لیکن یہ معلوم کرنا کہ یہ دوست ہے یا دشمن قوت وہم کا کام ہے۔ اس میں حس مشترک اس کی معاونت کرتا ہے جس میں معانی جزئیہ محفوظ ہوتے ہیں۔

حافظہ وہ قوت ہے جو قوت وہم کے فراہم کردہ معانی جزئیہ کو محفوظ رکھتی ہے بالکل اسی طرح جیسے حواس خمسہ ظاہری سے حاصل شدہ صورتیں خزینہ خیال میں محفوظ ہوجاتی ہیں۔

قوت حیوانیہ وہ قوت ہے جس پر حیات کا انحصار ہے اور اس کا مرکز قلب ہے۔ یہ قوت قلب کی انبساطی اور انقباضی حرکات کے سبب شرائین کے ذریعہ سارے اعضاء بدن میں پہنچتی ہے اور ان کو زندگی دیتی ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قوت فاعلہ (۲) قوت منفعلہ۔

قوت فاعلہ وہ قوت ہے جو قلب و شرائین میں انقباض و انبساط پیدا کرتی ہے اس قوت کے ذریعہ بدن کو نسیم (روح) حاصل ہوتی ہے اور بخارات دخانیہ

---

[1] یہ قوت صورت اور معانی دونوں میں تصرف کرتی ہے مثلاً کبھی کسی ایسے انسان کی صورت بنانا جس کے دو سر ہوں یا چار بازو یا چار پیر (یہ صورت میں ترکیب ہوئی) اور کبھی کسی کی دوستی کے ساتھ کسی دوسرے کی دشمنی کو ملا کر تصور کرنا یعنی فلاں دوست ہے اور فلاں دشمن وغیرہ (یہ معانی میں ترکیب ہوئی) کبھی اس قوت کا تصرف تفریق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً کسی ایسے انسان کا تخیل جو سر نہ رکھتا ہو (یہ صورت میں تفریق ہوئی) اسی طرح مثلاً کسی دوست کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ اب اس میں دوستی نہ رہی (یہ معانی میں تفریق ہوئی)۔

خارج ہوتے ہیں۔

قوت منفعلہ کا تعلق روح کے انقباض و انبساط سے ہے جس کو اصطلاحاً انفعالات نفسانیہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ خوف کی حالت میں روح حیوانی شریانی خون کے ساتھ بیرون بدن سے اندر کی طرف چلی جاتی ہے اسی لیے چہرہ زرد ہوجاتا ہے، یہ انقباض روح ہے۔ اس کے برخلاف غصہ کی حالت میں روح حیوانی اندرون بدن سے خارج بدن کی طرف ابھاتی ہے اس لیے اس حالت میں چہرہ گرم ہوکر سرخ ہوجاتا ہے، اور یہ انبساط روح ہے۔[1]

---

[1] فی الواقع ان انفعالات کا تعلق روح کے بجائے نفس سے ہے جیسا کہ ہم روح کی بحث میں بتا چکے ہیں۔

افعال

کوئی فعل جیسا کہ بحث قویٰ میں بتایا گیا ، قوت کے بغیر صادر نہیں ہوتا جہاں کوئی فعل نظر آئے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا سبب کوئی قوت ہے۔ لیکن قوت نظر آنے والی چیز نہیں ہے۔ اس کا وجود فعل کے ظہور سے وابستہ ہوتا ہے اس لیے طب میں قویٰ سے زیادہ افعال کو اہمیت حاصل ہے کیونکہ سارے بدن میں جو چیز قابل مشاہدہ ہے وہ افعال ہیں خواہ ان کا تعلق جسم کے کسی بھی عضو سے ہو۔ بدن کے جملہ افعال کی اطباء نے دو قسمیں قرار دی ہیں (۱) مفرد (۲) مرکب۔

افعال مفردہ وہ ہیں جن کی انجام دہی کے لیے صرف ایک قوت کافی ہوتی ہے مثلاً جذب، دفع، امساک اور ہضم۔ اور یہ چاروں افعال قوت جاذبہ، قوت دافعہ، قوت ماسکہ اور قوت ہاضمہ سے انجام پاتے ہیں۔

افعال مرکبہ وہ ہیں جن کی انجام دہی میں دو یا اس سے زیادہ قوتیں شریک ہوتی ہیں مثلاً بھوک لگنا (شہوت غذا) نگلنا، فعل ہضم، فعل تغذیہ اور فعل تولید وغیرہ۔ پہلا فعل قوت جاذبہ اور قوت حساسہ کی شرکت سے، دوسرا فعل جاذبہ اور دافعہ کی شرکت سے، تیسرا فعل ماسکہ اور ہاضمہ سے، چوتھا فعل جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ اور دافعہ کی شرکت سے (اس میں چاروں قوتیں شریک ہوتی ہیں) اور پانچواں فعل قوت مغیرہ، قوت مصورہ اور قوت مربیہ (جنین کے اعضاء کو چھوٹے سے بڑا کرنے والی قوت) کی شرکت سے انجام پاتا ہے[1]

[1] اطباء نے افعال کو افعال مفردہ اور افعال مرکبہ میں جو تقسیم کیا ہے تو یہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہے بدن کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس میں ایک سے زیادہ قوتیں شریک نہ ہوں۔ جن کو افعال مفردہ کہا جاتا ہے مثلاً دفع، امساک اور ہضم، یہ فی الواقع افعال مرکبہ ہیں۔ کوئی فعل دفع، فعل امساک اور فعل ہضم انجام نہیں پا سکتا جب تک کہ عضلات "اعصاب اور غدد" رطوبات کا فعل بھی ان کے ساتھ شریک نہ ہو

اُمورِ طبیعیہ کا خلاصہ

اُمورِ طبعیہ سے وہ سات چیزیں مراد ہیں جن سے بدنِ انسان مرکب ہے یعنی عناصر، اخلاط، مزاج، اعضاء، ارواح، قویٰ اور افعال۔ ان سب کی اصل عناصر ہیں انہی کے اتحاد سے اخلاط، مزاج، ارواح قویٰ اور افعال سب کا وجود ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی جزو کا بھی تجزیہ و تحلیل کیا جائے تو آخرالامر عناصر ہی نکلیں گے۔

حیاتیاتی نقطۂ نظر سے اجزائے مذکورہ میں اخلاط (غذائی مواد بشکل رطوبت دموی) اور روح کو بنیادی حیثیت حاصل ہے خلیات کے اندر انہی دونوں اجزاء کے التصاق واحتراق سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے جس سے بدنِ انسان کے مختلف افعال انجام پاتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی معدوم ہو جائے تو جسم کا معدوم ہونا لازمی ہے۔

مراجع

۱۔ ابو سہل مسیحی، کتاب المائۃ (مائۃ مسیحی) دائرۃ المعارف حیدرآباد (ہند) ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء

۲۔ ابن سینا، القانون فی الطب ہمدرد نگر نئی دہلی ۱۴۰۲ھ

۳۔ ابن سینا، الادویۃ القلبیہ (مخطوطہ) آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن

۴۔ ابن رشد، کتاب الکلیات نئی دہلی (سی سی آر یو ایم) ۱۹۸۴ء

۵۔ الفرڈ ویبر، ہسٹری آف فلاسفی مترجم خلیفہ عبدالحکیم، حیدرآباد دکن ۱۹۳۸ء

۶۔ برہان الدین نفیس بن عوض کرمانی، نفیسی مع حاشیہ مولانا عبدالحلیم، مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۱۳ھ

۷۔ حکیم سید اشتیاق احمد کلیات عصری نئی دہلی ۱۹۸۲ء

۸۔ حکیم علی حسین گیلانی شرح قانون (مخطوطہ) ہمدرد نگر دہلی

۹۔ حکیم عبداللطیف فلسفی تجدید طب طبی اکاڈمی علی گڑھ ۱۹۷۲ء

۱۰۔ حکیم کبیر الدین کتاب الاخلاط، قرول باغ دہلی ۱۹۳۶ء

۱۱۔ " " " افادۂ کبیر مفصل (شرح موجز القانون) دفتر المسیح بلی ماران دہلی (طبع ہشتم) ۱۹۶۰ء۔

۱۲۔ " " " رسالہ جراثیم اور طبیعت دفتر المسیح حیدرآباد دکن ۱۹۵۱ء

۱۳۔ " " " ترجمہ و شرح کلیات نفیسی حیدرآباد دکن ۱۹۵۳ء

۱۴۔ علامہ شہرستانی الملل والنحل قاہرہ ۱۳۴۵ھ

۱۵۔ عبدالعزیز بن متطبب امتحان الالباء لکافۃ الاطباء، اردو ترجمہ مسمّی بہ عبدالحق، حکیم محمد بدرالدین خاں دہلوی، مطبوعہ ۱۹۰۰ء

۱۶۔ علامہ علاء الدین قرشی (ابن نفیس)، موجز القانون، مترجم کوثر چاندپوری، ترقی اردو بیورو دہلی ۱۹۸۸ء

۱۷۔ علی بن ربن طبری فردوس الحکمت مرتبہ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی برلن ۱۹۲۸ء

۱۸۔ علی ابن عباس مجوسی کامل الصناعۃ قاہرہ ۱۲۹۴ھ

۱۹۔ قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد اندلسی، طبقات الامم مترجم قاضی احمد میاں اختر، مطبع معارف اعظم گڈھ ۱۹۲۸ء

۲۰۔ محمد بن یوسف الہروی بحر الجواہر لکھنؤ ۱۳۳۴ھ

۲۱۔ منجد (عربی لغت)

۲۲۔ محمد بن اسحاق ابن ندیم الفہرست مترجم مولانا محمد اسحاق بھٹی، ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور پاکستان ۱۹۶۹ء

۲۳۔ نور الدین محمد عبداللہ بن عین الملک شیرازی، قسطاس الاطباء (مخطوطہ) انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن، عثمانیہ میڈیکل کالج حیدرآباد (دکن)

I. Bertrand Russell, History of Western Philosophy, London 1957.

2. Barbara Levine Gelb, The Dictionary of Food, London/New York 1931.

3. Erwin Schrodinger, Nature and Greeks, Cambridge University Press 1954.

4. John William Draper, The History of the Intellectual Development of Europe, London 1864.

5. Hakim Sayed Ishtiaque Ahmad, Introduction to Al-Umur al-Ṭabīʿyah, New Delhi 1980.

6. McInerny Ralph M, A History of Western Philosophy, London 1963.

7. O.C.Gruner, Special Issue, Commentary on the Canon of Medicine of Avicenna. Editor, Hakim Mohd. Said, July-September 1967, Hamdard, Karachi, Pakistan.

8. Rudolph E.Seigel, Galen's System of Physiology and Medicine, New York 1968.

9. S.B.Vohora, H.Abdul Hamid, Earth, Elements and Man, Department of Philosophy of Medicine and Science, Institute of History of Medicine and Medical Research, Hamdard Nagar, New Delhi

10. The New Encyclopaedia Britannica Micropaedia, 1974 (15th.ed)

11. Theories and Philosophies of Medicine, Department of Philosophy of Medicine and Science, Hamdard Nagar, New Delhi,

12. Vaidya Bhagwas Das and Vaidya Lalitesh Kashyap, Materia Medica of Ayurveda, Concept Publishing Company, Bali Nagar, New Delhi. 1980

13. Van Spronsen, J.W. The Periodical System of Chemical Elements, London/New York, 1969.

4. W.J.Moore, A Dictionary of Geography, Britain 1968.

ہماری مطبوعات

آندھی میں چراغ	خواجہ غلام السیدین	۳۷۶	۱۳/=
ابوالکلام آزاد شخصیت، سیاست پیغام۔	پروفیسر رشید الدین خاں	۳۲۶	۲۱/=
ابوالکلام آزاد۔ ایک ہمہ گیر شخصیت	مرتب پروفیسر رشید الدین خاں	۶۸۸	۵۸/=
اردو کے ابتدائی ادبی معرکے ابتدا سے عہد مرزا و میر تک	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	۲۵۴	۲۲/=
اردو کے ادبی معرکے میر سے انشا تک ترمیم و اضافے کے ساتھ (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	۳۸۴	۳۰/=
اردو کی کہانی	احتشام حسین	[illegible]	[illegible]
اردو لغت نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر مسعود ہاشمی	۲۴۰	۳۰/=
ارنیسٹ ہیمنگوے حیات و فن کا تنقیدی مطالعہ (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	۱۷۲	۱۱/=
امریکی ادب کا مختصر جائزہ	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	۱۹۲	۹/۵۰
انتخاب غزلیات میر	مرتب ڈاکٹر حامدی کاشمیری	۲۵۵	۱۵/-
انتخاب کلام حسرت	مرتب ڈاکٹر فضل امام	۹۱	۹/=
اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء	محمد اطہر علی / امین الدین	۳۵۰	۲۸/=
بادشاہ	میکاولی / ڈاکٹر محمود حسین	۱۹۹	۱۴/=
برطانیہ کا دستور اور نظام حکومت	محمد محمود فیض آبادی	۲۰۰	۳۶/=
تاریخ آصفی	مرزا ابوطالب / ڈاکٹر ثروت علی	۱۸۹	۱۰/=
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	۱۴۰	۱۰/۵۰

ہماری مطبوعات

آندھی میں چراغ	خواجہ غلام السیدین	۳۷۶	۱۳/=
ابوالکلام آزاد شخصیت، سیاست پیغام۔	پروفیسر رشید الدین خاں	۳۳۶	۲۱/=
ابوالکلام آزاد۔ ایک ہمہ گیر شخصیت	مرتب پروفیسر رشید الدین خاں	۶۰۸	۵۸/=
اردو کے ابتدائی ادبی معرکے ابتدا سے عہد مرزا و میر تک	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	۲۵۴	۲۲/=
اردو کے ادبی معرکے میر سے اقبال تک ترمیم و اضافے کے ساتھ (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	۸۴۸	۳۰/=
اردو کی کہانی	احتشام حسین	؍؍	؍؍
اردو لغت نگاری کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر مسعود ہاشمی	۲۴۰	۳۰/=
ارنیسٹ ہیمنگوے حیات وفن کا تنقیدی مطالعہ (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	۱۶۲	۱۱/=
امریکی ادب کا مختصر جائزہ	ڈاکٹر سلامت اللہ خاں	۱۹۲	۹/۵۰
انتخاب غزلیات میر	مرتب ڈاکٹر حامدی کاشمیری	۲۵۵	۱۵/۷۵
انتخاب کلام حسرت	مرتب ڈاکٹر فضل امام	۹۱	۹/=
اورنگ زیب کے عہد میں مغل امرا۔	محمد اطہر علی / امین الدین	۳۵۰	۲۸/=
بادشاہ	میکاولی / ڈاکٹر محمود حسین	۱۹۹	۱۴/=
برطانیہ کا دستور اور نظام حکومت	محمد محمود فیض آبادی	۲۰۰	۳۶/=
تاریخ آصفی	مرزا ابوطالب / ڈاکٹر ثروت علی	۱۸۹	۱۰/=
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	۱۳۰	۱۰/۵۰

Price Rs. 36.00